ماہنامہ

جہانِ رضا

لاہور

مدیر اعلیٰ:

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

نگران اعلیٰ: مرکزی مجلس رضا لاہور

مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
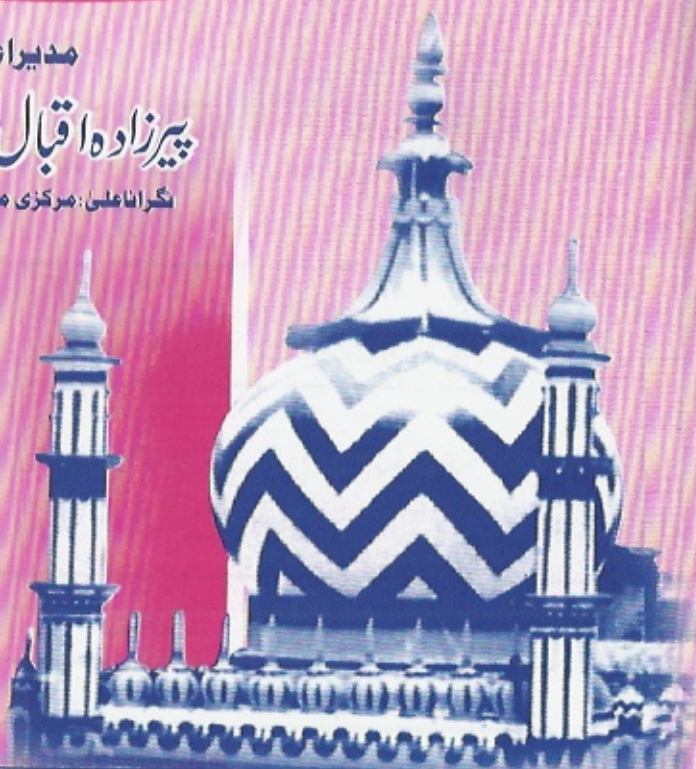
042-37213560

0300-4235658

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے افکار کا حقیقی و تحقیقی ترجمان

جلد ۱۸ - ماہ اپریل ۲۰۱۲ء - جمادی الاول ۱۴۳۴ھ - شمارہ ۱۸۸

اس شمارہ میں ''اداریہ'' نہیں آیا۔ دیارِ حبیب میں جانے والوں نے ''دیکھو مجھے شہرِ محبت نے بلایا'' پیرزادہ اقبال احمد فاروقی جدہ کے ایک میزبان حکیم نذیر احمد چشتی کی نعتیہ محفل کا تذکرہ کرتے ہیں۔ صفحہ ۹ پر ''علمائے کرام اور اشاعت علوم اسلامیہ'' پر ایک علمی مضمون آیا ہے۔ صفحہ ۲۶ پر ''حدائق بخشش کا اولین ایڈیشن'' علامہ جابر شمس مصباحی کے تحقیقی قلم نے لکھا ہے۔ صفحہ ۴۲ پر ''شیخ اعظم شیخ اعظم کیوں؟'' حضرت سید محمد اظہر اشرف الاشرفی کی قلمی اور روحانی خدمات پر صاحبزادہ محب اللہ نوری نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ''لاہور کی قدیم مساجد'' اور ''نئی کتابوں پر تبصرے'' آپ کے مطالعہ میں آئیں گے۔

جہانِ رضا کے اعزازی قارئین

جن حضرات کو ''جہانِ رضا'' اعزازی ملتا ہے وہ اپنا پتہ لکھ کر آگاہ کریں، کہ انہیں ''جہانِ رضا'' جاری رکھا جائے، اطلاع نہ آنے پر رسالہ بند کر دیا جائے گا۔

سالانہ چندہ: -/۴۰۰ روپے	ہدیہ -/۲۰ روپے

قارئین جہانِ رضا اپنے تجزیاتی خیالات کا اظہار کرکے ممنون فرمائیں۔

مرکزی مجلس رضا ☰ مکتبہ نبویہ
گنج بخش روڈ، لاہور
موبائل: 0300-4235658

حاجیوں آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا
یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو

زینت کعبہ میں تھا لاکھ عروس کا بناؤ
جلوہ فرما یہاں کونین کا دولھا دیکھو

بے نیازی سے وہاں کانپتی پائی طاعت
جوش رحمت پہ یہاں ناز گنہ کا دیکھو

ملتزم سے تو گلے لگ کے نکالے ارماں
ادب و شوق کا یاں باہم الجھنا دیکھو

رقص بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں
دل خونابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو

لو دیکھو مجھے شہر محبت نے بلایا!

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی بارگاہ رسول میں............

اے خوشا شہرے کہ دروے دلبراست! دربار مصطفیٰ میں ہجوم عاشقاں دیدنی ہوتا ہے۔ بارگاہ نبوی کی بررونقیں اپنی مثال آپ ہوتی ہیں۔ مسجد نبوی حد نگاہ تک بھری نظر آتی ہے۔ روشن چہرے۔ خوبصورت صورتیں ہر طرف دل نوازی کرتی ہیں۔ مسجد نبوی کا وہ ٹکڑا جہاں گنبد خضریٰ اپنی تابانیوں سے نظروں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے اہلِ دل سے بھرا بھرا نظر آتا ہے۔ ریاض الجنۃ اور محراب و منبر کی جلوہ سامانیاں دل و دماغ کو روشن کرتی جاتی ہیں۔ استن حنانہ در ہجر رسول۔ نالہ می زد ہمچو ارباب عقول! ابھی تک ہجر و فراق کی داستان سناتا ہے۔ مواجہہ شریف۔ باب جبرئیل۔ قدمین شریفین۔ مسکن فاطمہ۔ زینہ اصحاب صفہ۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جاست!

جمعۃ الوداع یہاں پڑھا اور ختم تراویح یہاں سنا۔ سماعت قرآن یہاں ہوئی پھر عید الفطر بارگاہ مصطفیٰ میں ادا کی۔ شوال کی صبح آئی تو لوگ اپنے اپنے ملکوں کا رخ کرنے لگے۔ قافلے روانہ ہونے لگے۔ کارواں ترتیب دیے جانے لگے۔ مگر

پایم بہ پیش زیں سر کو بر نمی رود
یاراں خبر دہید کہ این جلوہ گاہ کیست!

بارگاہ رسول میں رمضان گذرا تھا۔ شوال کا پہلا ہفتہ گذر گیا مگر شہر محبت چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ آخر میرے رفیق سفر ثنا خواں رسول محمد ثناء اللہ بٹ سواری لے آئے۔ سامان لپیٹا گاڑی میں رکھا۔ اور اگلی سیٹ پر بٹھا کر کہا چلو جدہ چلیں۔ گاڑی مدینہ کے کوچہ و بازار سے گذرتی ہوئی روانہ ہوئی

ٹھہر جا ساربانا! مہربانا! رو تو لینے دے!

چند لمحوں میں گاڑی مدینہ کی وادیوں اور نخلستانوں کو سمیٹتی ہوئی رواں دواں تھی۔ اور چند گھنٹوں بعد ہم اپنی دادی کے گھر (جدہ) میں آ گئے۔

حکیم نذیر احمد چشتی بڑے مہمان نواز انسان ہیں۔ مشائخ علماء اور فقراء سب انکے مہمان ہوتے ہیں اور وہ ہر مہمان کے لئے بچھے بچھے جاتے ہیں۔ ان کا گھر ''اشرافیہ'' میں ہے ان کے گھر کے سارے دروازے مہمانوں کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ ان کے گھر کے در و دیوار کے دامن مہمانوں کے لئے کھل کھل جاتے ہیں۔ اس میزبان زائران حرمین کے گھر میں قدم رکھا ہی تھا تو خلوص و محبت کی خوشبوؤں نے گھیر لیا۔ نہایت تپاک سے خوش آمدید کہا۔ بڑی محبت سے اھلاً و سھلاً کہا۔ ابھی ہم ستانے

نہ پائے تھے کہ حکیم صاحب کے مقامی احباب کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں اس گھر میں نو وارد تھا۔ بلا تکلف کہا "آج رات میں فلاں دوست کے ہاں گذاروں گا" حکیم صاحب نے کہا ہاں رات آئے گی تو آپ دوست کے پاس چلے جانا۔ جوں جوں رات چھانے لگی حکیم صاحب کا گھر روشنیوں سے جگمگانے لگا۔ لوگ آنے لگے۔ دوست آنے لگے۔ احباب آنے لگے۔ دیکھتے دیکھتے حکیم صاحب کا گھر روشنیوں سے چکا چوند ہو گیا۔ اور یہ گھر بقعہ نور بن گیا۔ میں رات کا منتظر تھا مگر یوں محسوس ہونے لگا کہ صبح نمودار ہو رہی ہے۔ روشنیاں پھیلنے لگی ہیں۔ وڈیو کیمرے کام کرنے لگے۔ دھیمی آواز کے سپیکر نصب ہو گئے۔ حساس مائیک سامنے آ گئے اور دیکھتے دیکھتے حکیم صاحب کا گھر روشن چہروں سے جگمگانے لگا۔ یہ سب ان کے احباب تھے۔ یہ سب ثناء اللہ بٹ کی نعت سننے کے مشتاق تھے۔ یہ سب شمع رسالت کے پروانے تھے جو حضور کی مدحت سننے کے لئے دور دور سے آ گئے تھے۔

یہ لو! نور محمد جرال آ پہنچے۔ لوگوں کی نگاہوں نے اٹھ اٹھ کر انہیں سلام کیا۔ نور محمد جرال پاکستانی نعت خواں ہیں۔ محمد اعظم چشتی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ایک عرصہ سے جدہ میں مقیم ہیں۔ جب نعت پڑھتے ہیں خوب پڑھتے ہیں اور مجالس نعت میں جان محفل بن جاتے ہیں۔ نعت رسول کے لیے کنج لب کو وا کرتے ہیں۔ تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ باد نو بہاری چل پڑی ہے۔ محفل پر پھول برسنے لگے ہیں۔ تعارف ہوا تو میرے پاس آ بیٹھے۔ ثناء اللہ بٹ کے دیرینہ آشنا ہیں۔ آج کی محفل میں مجھے مہمان سپیکر کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا۔ آغاز یہ نعت نور محمد جرال کی خوش آوازی سے تھی۔ جناب جرال اپنی شیریں آوازی اور دلنوازی سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا کلام سنانے لگے۔

سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول۔ دہن پھول۔ ذقن پھول۔ بدن پھول
دل بستہ وخون گشتہ نہ خوشبو نہ لطافت
کیوں غنچہ کہوں ہے میرے آقا کا دہن پھول
دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی
ہیں در عدن، لعل یمن، مشک ختن، پھول

نور محمد جرال نعت پڑھتے جا رہے تھے محفل میں پھول بکھیرتے جا رہے تھے۔ دل چاہتا تھا کہ وہ پھول بکھیرتے جائیں۔ پھول برساتے جائیں۔ پھول لٹاتے جائیں اور ہم پھول سمیٹتے جائیں۔ پھولوں سے جھولیاں بھرتے جائیں۔ اور دل و دماغ کو خوشبوؤں سے معمور کرتے جائیں۔

مجھے اشارہ ہوا کہ میر محفل جناب محمد ثناء اللہ بٹ کو دعوت نعت خوانی دوں۔ نور محمد جرال نے محفل کا رنگ حضور سرور کائنات کے سراپا سے گلگوں کر دیا تھا۔ میں نے محمد ثناء اللہ بٹ کے سامنے مائیک

رکھتے ہوئے کلام رضا سے حضور کے سراپا پر نعت پڑھنے کی فرمائش کی۔ محمد ثناء اللہ بٹ رمضان کا سارا مہینہ میرے ساتھ شہر حبیب میں رہے۔ رات کو محافل نعت کی رونق ہوتے تھے۔ شاید ہی مدینہ کی کوئی رات آئی ہو جب ثناء اللہ بٹ نے کسی نہ کسی محفل نعت میں نعت نہ سنائی ہو۔ وہ گویا ہوئے۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہ شمع ہے جسکا دھواں نہیں

وہ اعلیٰ حضرت کی یہ نعت سناتے گئے اور گرہ پر گرہ لگاتے گئے۔ سامعین لطف اندوز ہی نہیں محظوظ ہوتے گئے۔ اور ایک ایک مصرع پر داد دیتے گئے۔ اعلیٰ حضرت کی مذکورہ نعت ختم ہوئی تو نعت خوان گرامی نے ایک اور نعت کا آغاز کیا جس میں حضور نبی کریم صاحب کوثر و تسنیم کے سراپا کو ایک اور انداز سے پیش کیا۔

مشک سا زلف شہ و نور فشاں روئے حضور
اللہ اللہ! حلب حبیب تتار دامن

یہ اتنی مشکل نعت تھی جس میں حضور کی زلف مشکبار اور روئے اقدس کو نہایت لطیف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں
نرگس مست ناز نے مجھ سے نظر چرائی کیوں!

حضور کے سرو قد کو کس انداز میں بیان کیا جا رہا ہے۔

تیرا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

بے مثل آقا کے بے مثل قد کو نادر دہر کہہ کر اس کی تشبیہ لانے سے عجز کا اظہار کر دیا گیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عارض۔ گیسو۔ ہاتھ اور ایڑیوں کو اعلیٰ حضرت نے ان سراپائی الفاظ کو کئی کئی ردیفوں میں بیان کیا ہے۔ نعت خوان گرامی ان نعتوں کو پڑھتے گئے اور اہل مجلس کے لطف میں اضافہ کرتے رہے۔

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکن ناز سے وارے گیسو

....

ہے لب عیسیٰ سے جان بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں. انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے وہ ہیں خوش تر ایڑیاں

....

نار دوزخ کو چمن کر دے بہار عارض
ظلمت حشر کو دن کر دے نہار عارض

ان مطالع کی پوری پوری نعت پڑھتے گئے اور رنگ محفل میں اضافہ کرتے گئے۔ امام احمد رضا نے حضور کی بارگاہ میں سلام رضا پیش کیا ہے جو مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام کے مطلع کمال سے فضاؤں میں نور بکھیر تا رہتا ہے۔ اہل تحقیق بتاتے ہیں کہ سلام رضا میں حضور کے سراپا پر ایسے ایسے اشعار ہیں جنہیں اہل محبت حرز جان بناتے ہیں۔ قد و قامت۔ طلعت فرق اقدس' گیسوئے معنبر۔ زلفوں میں شانہ کا انداز۔ زلفوں کے درمیاں مانگ کا حسن و جمال۔ گوش مبارک۔ جبین کمال۔ بھوؤں۔ پلکوں۔ آنکھوں۔ ناک۔ رخسار۔ رنگت۔ جسامت۔ ریش خوش معتدل۔ لب۔ دندان، دہن، زبان۔ شکم۔ کمر۔ زانو۔ مہر نبوت۔ پشت مبارک۔ دست پاک۔ بازو۔ کلائی۔ ہتھیلی۔ انگلیوں۔ انگلیوں کے ناخن کو جس انداز سے بیان کیا ہے وہ اہل تحقیق و تجسس ہی جانتے ہیں۔

حکیم نذیر احمد چشتی صاحب کے گھر کی یہ نورانی محفل ابھی نعت اور سرور محبت رسول سے سرشار تھی۔ سامعین کاسہ چشم کھولے اور دامن سماعت بچھائے۔ حضور کی نعت سن رہے تھے۔ رات کا ایک بج چکا تھا۔ رات ڈھلنے لگی تھی۔ مجھے جدہ میں جس دوست کے پاس رات گذارنے جانا تھا وہ انتظار کرتے کرتے خود اسی مجلس میں آ پہنچا تھا۔ اور رنگ محفل دیکھ کر شریک محفل ہو گیا۔ مجھے تسلی ہو گئی ادھر ہمارے میزبان گرامی جناب حکیم نذیر احمد چشتی لحہ بہ لحہ خدمت گذاری کے لئے مہمانوں کی آمد۔ شرکائے محفل پر نگاہ۔ نعت خوانان گرامی پر محبت کی نظر پھر ویڈیو کیسٹ لاؤڈ سپیکر کے نظام پر تکنیکی نظر۔ رات ڈھلتے جا رہی تھی۔ خوشبودار قہوے کا ایک دور چلنے لگا۔ سامعین خوش کلامی کے ساتھ شیریں دہنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ثناء خوان رسول کے سامنے سے مائیک ہٹایا گیا۔ سپیکر کی آواز بند ہو گئی تو نور محمد جرال صاحب نے اپنی گفتگو کو نسیم بہاری بنا کر محفل کو کشت زعفران بنا دیا۔

اللہ اللہ! یہ نورانی محفل۔ یہ اہل محبت کی مجلس۔ یہ نعت خوانان رسول کا حلقہ۔ یہ زائران حرمین کا زاویہ۔ حضرت جرال، اعلیٰ حضرت کی زبان بن کر حضور کے سراپا کے منظر بڑے پیارے انداز سے آگے بڑھانے لگے۔ اور مجھ سے داد لینے کے لیے توجہ دلانے لگے۔ آپ نے فرمایا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حضور نبی کریم ﷺ کے سراپا مبارک کو جب بھی پیش کیا ان کا ماخذ قرآن تھا۔ منبع احادیث نبوی تھا۔ حوالہ ترمذی شریف کے صفحات تھے۔ انہوں نے حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ

ہمزیہ شریف کا ایک شعر پڑھا۔ جس کا ترجمہ یوں ہے۔

''لوگوں نے تو آپ کی صرف صورت دیکھی ہے میں نے تو آپ کی صفات کو ان چمکتے ہوئے ستاروں کی روشنیاں بیان کی ہیں جو سمندر کے صاف پانی میں عکاسی کرتے رہتے ہیں۔'' جناب جرال نے سلام رضا کے حوالے سے حضور کے سراپا کی طرف گفتگو کا رخ فوراً بدلا اور فرمانے لگے۔

ریش خوش معتدل مرہم ریش دل
ہالہ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام

میں نے بات بڑھاتے ہوئے سلام رضا کا ایک شعر عرض کیا۔

خط کی گرد دہن وہ دل آراء پھبن
سبزۂ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام!

حاضرین میں سے ایک سخن فہم نے یہ شعر سن کر فرمایا۔ یہ شعر حضور کے سراپا بیان کرنے کے ساتھ ساتھ سیرت رسول کا ایک پہلو بھی پیش کرتا ہے۔ ریش خوش معتدل اور ریش دل۔ یہ صنعت تجنیس کا اہتمام ہے ریش مبارک چاند کا ہالہ بن کر چہرہ انور پر پھب رہی ہے پھر نہر رحمت کا سبزہ بن کر دلوں کو موہ رہی ہے۔ چہرہ اقدس کو ماہ ندرت کہا ہے ماہ نو' ماہ چہاردہ شب' ماہ عید ماہ کامل تو شعراء کے کلام میں ملتا ہے مگر ''ماہ ندرت'' تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ہی خوبصورت اصطلاح ہے۔ چاند کے گرد ہالہ دیکھ کر باران رحمت کی امید لگ جاتی ہے۔ حضور کے چاند سے چہرے کے ارد گرد ہالہ باران فضل مصطفیٰ کی آمد کی علامت ہے جو دلوں کے خشک صحرا و بیابان کو گل و گلزار کا گہوارہ بنا دیتی ہے۔

ابھی محفل نعت میں اہل محبت کی گفتگو جاری تھی کہ رات کے دو بج گئے۔ میزبان گرامی نے سلام پڑھنے کی فرمائش کی۔ تو ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی دلنوازیاں گونجنے لگیں۔ جناب محمد ثناء اللہ بٹ اور جناب نور محمد جرال صاحبان نے مل کر سلام پڑھا تو ساری محفل فرط عقیدت سے جھوم اٹھی۔

ایسی محافل کے بعد کھانے کا وسیع دستر خوان بچھتا ہے اور دربار مصطفیٰ کے ارد گرد بسنے والے میزبانوں کے دستر خواں تو اتنے وسیع ہوتے ہیں۔ کہ بھوک اور تشنگی دستر خوان کے دامن پر دم توڑ دیتی ہے۔ مگر یہاں ہم اپنے میزبان گرامی کا انداز میزبانی بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو عرب کے سارے میزبانوں سے جداگانہ ہوتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے مہمانوں کے سامنے دستر خوان بچھاتے ہیں۔ تو بار بار ٹشو پیپر سے صاف کرتے جاتے ہیں۔ ان پر برتن سجاتے جاتے ہیں تو اپنے دونوں ہاتھوں سے تولیے کا استعمال کرتے ہیں۔ کھانے کے لیے چمکتے ہوئے چمچے جب قطار در قطار سامنے آتے ہیں تو مہمانوں کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں۔ اب خوشبودار بریانی کے طباق سجنے لگتے ہیں پھر ٹشو پیپرز سے کئی بار چمکائی

ہوئی پلیٹیں صف در صف سامنے آتی ہیں۔ اس سارے عمل کے درمیان مجال ہے کہ میزبان گرامی کسی دوسرے شخص کو کسی چیز پر ہاتھ لگانے دیں۔ ڈشوں میں سجا ہوا گوشت سامنے آتا ہے۔ آب زم زم کے کٹورے دستر خوان پر سج جاتے ہیں۔ یہ سارا کام انتہائی مستعدی اور مشاقی سے ہوتا ہے کہ مجال ہے کسی مہمان کی زبان پر حرف شکایت انتظار آئے۔

اب کھانے والوں کا ذوق دیدنی اور کھلانے والے کی نگاہ دیدنی ہوتی ہے۔ ایک ایک کے پاس جائیں گے۔ فاروقی صاحب یہ گوشت تو میں نے قصائی کے پاس بیٹھ کر آپ کے لیے ہی کٹایا تھا۔ بٹ صاحب یہ بکرا تو میں نے اپنے سامنے ذبح کرایا تھا۔ قصائی ذبح کرتے وقت احتیاط نہیں کرتے۔ جرال صاحب اس بریانی میں جو زعفران ڈالا ہے وہ مدینہ سے لایا ہوں۔ آپ تو میرے ساتھ ہی تھے۔ رحمانی صاحب مدینہ کے مضافات کا پودینہ تو بے مثال ہے۔ آپ کے لیے تازہ تازہ لایا ہوں۔ شاہ صاحب! یہ چانپیں چکھ کر تو دیکھیں۔ ایک ایک مہمان کے پاس جائیں گے اور انہیں کھانا کھانے کی اس انداز سے ترغیب دیں گے کہ مہمان ہاتھ کھینچتے کھینچتے تازہ دم ہو کر پھر کھانا شروع کر دیتا ہے۔ اب دور سے نگاہ پڑی۔ دوڑے دوڑے آئے فاروقی صاحب آپ غالباً پہلی بار آئے ہیں۔ ہمارے ہاں شام کا کھانا رات کے دو بجے کھایا جاتا ہے۔ مگر کوئی بات نہیں محفل نعت میں بھوک اور پیاس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ لیکن آپ میرے ہاتھ کی پکی ہوئی جب تک ساری چیزیں نہ چکھ لیں گے میں آپ کے جہاز کی سیٹ OK نہیں ہونے دوں گا۔ یہ روسٹ تو چکھیں میں نے خود بھونا ہے۔ پھر بریانی میں مدینہ کی الائچیاں اور زعفران تو صرف آپ کی خاطر ڈالا تھا۔ واعظوں اور نعت خوانوں کے لیے نہ مرغی پکاتا ہوں یہ بیچاری صرف انڈے دینے کے لیے فارموں میں بند رہتی ہیں۔ نہ میں مچھلی لاتا ہوں یہ جدہ کے وسیع سمندر کے نمکین پانی میں پلتی ہے۔ بس میں تو بکرے کا گوشت اپنے سامنے ذبح کرا کے لاتا ہوں۔ اور بکرے بھی وہ جو وادی بطحا کے گھاس سے جوان ہوتے ہیں۔

محفل نعت۔ نعت خوانان رسول کی خوش آوازی سے معمور ہے اعلیٰ حضرت کے کلام میں سراپائے حضور کا بیان سننے کے بعد اتنی مہمان نوازی بس ہمارے میزبان جناب حکیم نذیر احمد صاحب چشتی کا ہی حصہ ہے۔ یہ بات اس لئے قارئین "جہان رضا" کی خدمت میں سنا رہا ہوں کہ اگر وہ بارگاہ رسول میں حاضری دیں تو ہمارے میزبان سے جدہ میں ملاقات کرنا نہ بھولیں۔

جہاں ہم ہیں وہاں کام و دہن کی آزمائش ہے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمائے کرام اور اشاعتِ علومِ اسلامیہ

علمائے دین وارث علم رسولؐ ہیں وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اشاعتِ اسلام کے لیے انبیاؑ کے نائب ہیں۔ وہ اپنے مقام و رتبہ کے اعتبار سے بہترین خلائق کہلائے۔ انہوں نے علوم ربانی اور سنت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت سے کائنات ارضی پر بسنے والوں کے سینوں کو منور کرنے میں عمریں وقف کر دیں۔ وہ وحی الٰہی کے مقاصد کو لے کر اٹھے اور مشرق و مغرب پر چھا گئے۔ وہ سنتِ رسولؐ کو دامن و دماغ میں سمیٹ کر بڑھے تو آسمانی وسعتوں پر حاوی ہو گئے۔ وہ اصحاب صُفّہ تھے، معلمِ اخلاق بنے۔ وہ راوی حدیث تھے تو استادِ جہاں کہلائے۔ وہ علمِ الٰہی کے چشمہ سے سیراب ہو کر صحرائے عرب سے نکلے تو غرناطہ و اشبیلیہ کی یونیورسٹیوں کے بانی بنے اور ایشیا و یورپ کی تاریکیوں کو علمی ضیاؤں سے چیرتے گئے۔ وہ دولتِ علم کو کائنات ارضی کے گوشہ گوشہ میں لیے پھرے اور بلا امتیاز مذہب و ملت انسانوں کی جھولیاں بھرتے گئے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کبھی زادِ راہ کی جستجو کی نہ بحر و بر کی پہنائیوں سے شکستہ پا ہوئے۔ وہ جہالت کے تاریک پردوں کو ہٹاتے گئے اور ظلمات کو نور سے اڑاتے گئے۔

لیے علم و فن اُن سے نصرانیوں نے
کیا کسبِ اخلاق رُوحانیوں نے
ادب اُن سے سیکھا صفاہانیوں نے
کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے

ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے
مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے
خلافت کو زیر و زبر جا کے دیکھے

جلال ان کا کھنڈروں میں ہے یُوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کُندن دہکتا

ہم نے اسی تہذیب کے مشعل بردار علماء ربّانی کی انتھک کوششوں سے متاثر ہو کر چند نفوس قدسیہ کے حالات و سوانحی خاکے قلم بند کرنے کی ایک سعی ناتمام کی ہے۔ یہ علماء کرام مدینۃ الاولیاء لاہور میں اس زمانہ میں علمی روشنی پھیلانے میں مصروف رہے۔ جب آفتابِ علم پر جہالت کے بادل چھا رہے تھے علم دین سے ملّتِ اسلامیہ کو دُور رکھنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

علمی حقایق کو مسخ کرنے کے لیے پورے برصغیر میں ایک منظم سازش کی جا رہی تھی۔ مغل سلطنت کے جاہ و جلال کے خاتمے کے ساتھ ہی لاہور نصف صدی تک سکھا شاہی کی تاریکیوں میں ڈوبا رہا۔ پھر انگریزی تسلط کے گڑھے میں جا گرا۔ ان علماء کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ لاہور کی تین سو سالہ علمی اور معاشرتی تہذیب کے بعض پہلو بھی نمایاں ہوں گے جو ان علماء کرام کی جد و جہد سے بنتی اور سنورتی رہی۔ ہمارے خیال میں اس موضوع کو دیدہ و دانستہ تاریخ سے نظر انداز کیا جاتا رہا ہے حالانکہ ملّتِ اسلامیہ کو اس ورثہ سے محروم رکھنا ایک بہت بڑا سانحہ ہے چنانچہ ہم نے اس منزل کی نشان دہی کے طور پر چند علماء اہلسنّت کے حالات قلم بند کر دیئے ہیں تاکہ اہل قلم اس بنیاد پر اپنی بلند و بالا عمارتیں اٹھا سکیں۔

صدیوں کے علمی شکوہ و جلال کی بارگاہوں کے بعد چند علماء کا تذکرہ گردِ کاروان نظر آئے گا مگر ہم اپنے قارئین کو اس تاریخ ساز جماعت کے مقاصد اور مراتب سے روشناس کرنے کی کوشش میں چند اوراق پڑھنے کی زحمت دیے بغیر نہیں رہیں گے جو ان کے ذوقِ علم کی تسکین کے لیے ایک مفید چیز ہو گی۔ علماء اسلام نے علمی شمعیں کن طوفانوں میں جلائیں، کن مقاصد کو لے کر بحرِ ظلمات کو چیرتے گئے، جہالت کے کن صحراؤں کے دامنوں کو علمی گل و گلزار سے بھر دیا علم و انصاف سے دلوں کے کن زنگ آلود گوشوں کو منور کیا۔ عدل و استحسان سے کن سینوں کو صاف کرتے گئے اور اقوامِ عالم کے سامنے کس امتیازی شان سے علم کا نور بکھیرتے گئے۔ اس سلسلہ میں ہم علامہ ابن عبدالبر کی مشہور کتاب جامع بیان العلم و فضلہ جسے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے اردو لباس پہنا کر "العلم والعلماء" کے نام سے ندوۃ المصنفین دہلی (مطبوعہ ۱۹۵۳ء)

سے شائع کیا تھا سے استفادہ کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ کتاب علم دین اور علماء دین کی جلیل القدر خدمات کو بھرپور خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے۔ فاضل مصنّف نے علومِ اسلامیہ کے مشاہیر کے اقوال اور روایات کو جس خُوبی سے پیش کیا ہے اس سے جویائے علمِ دین کی بڑی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ علم دین کا طالبعلم اپنی تاریخ کو ایک روشن آئینے میں دیکھ آگے بڑھنے کے قابل ہوتا ہے اور وُہ عصرِ جدید کے علم کُش آلات و حالات کے اثرات کے باوجود اپنی منزل کی طرف قدم بڑھاتا رہتا ہے۔ ہم اس عظیم اور مفید کتاب (جو ان دنوں نایاب ہے) کے چیدہ چیدہ اقتباسات تذکرہ کے دیباچے کے طور پر پیش کر کے اپنی حقیر کوشش کو آبِ آتش لباس پہنا کر اہلِ دل کی مجلس میں پیش کر رہے ہیں۔

تاریخِ عالم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکی کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس نے علم سے فیاضانہ سلوک کیا اور اسے بلا امتیاز مذہب و ملّت انسانی رہنمائی کا ذریعہ بنایا۔ اسلام کی آمد سے صدیوں پہلے کائناتِ ارضی کی متمدن اقوام اپنے طور پر علوم و فنون کی راہیں متعین کرتی رہی ہیں چین، ہندوستان، مصر، بابل، اشوریا، یونان، روما علم کے مراکز مانے گئے ہیں مگر امرِ واقعہ یہ ہے کہ یونان کے علاوہ دنیا بھر کے ممالک کے علوم کو علم کہنا علم سے ناانصافی ہے۔ بابل، اشوریا اور مصر کے علوم توہمات، سحر اور جادو کے مجموعے تھے۔ چین اور ہندوستان صدیوں طلسمات کے چکر میں رہے۔ چین نے اخلاقیات اور ہندوستان نے الٰہیات اور طب میں مختصر سی ترقی کی۔ روما صرف فتوحات کے جنون میں گرفتار رہا البتہ یونان ایک ایسا ملک ہے جس نے علم کے میدان میں بڑے بڑے فلاسفر اور مفکرین پیدا کیے۔ یونانی فلاسفروں اور علماء نے انسانی ذہن و دماغ کو نہایت قیمتی مواد مہیا کیا اور یہ ملک علم کا سرچشمہ رہا جو کئی صدیوں تک دوسری قوموں کو اپنی ضیاؤں سے منور کرتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک نے ایک زمانہ میں مسلمانوں کے عقلی علوم میں اضافہ کیا اور ایک عرصہ تک اسلامی دنیا کے علوم کا سرچشمہ رہا۔ بایں ہمہ یونانی علوم کی بنیاد مادیت پر تھی۔ وُہ انسان کو رُوحانیت سے یکسر محروم کر دیتا۔ یُونانی علوم نے جس تہذیب کو جنم دیا اور جس معاشرے کو فروغ دیا اس میں سقراط جیسے جلیل القدر حکیم آزادیٔ فکر نہ ہونے کی وجہ سے زہر کا پیالہ پینے پر مجبور ہوئے۔ افلاطون مخصوص شاگردوں کے ایک گروہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔

اقلیدس کو سنگسار کیا گیا اور ارسطو کو محض اس لیے وطن چھوڑنا پڑا کہ اس کے علوم اس کے ہم وطنوں کے توہمات کے طلسم کو توڑنے میں کامیاب نہ ہوئے۔

مسیحیت کے فروغ کے ساتھ یورپ اور دوسرے ممالک نے علوم و فنون کو ایک نئے انداز سے اُبھرتے دیکھا لیکن کلیسائی نظام نے علم کی جو مٹی پلید کی اس کے ذکر سے تاریخ انسانی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یونانی علوم کے خزانے جسے چشمِ فلک نے کبھی دیکھا نہ تھا مسیحی تعصب کا شکار ہو کر رہ گئے۔ اسکندریہ کی سات لاکھ کتابوں کا کتب خانہ صرف اس لیے نذرِ آتش کر دیا گیا کہ اُن کے نزدیک یہ کفر و الحاد کا خزانہ تھا۔ اہلِ علم کو عریاں کر کے شہر سے باہر نکال دیا جاتا اور مسیحی یورپ کے عروج و کمال نے جہاں جہاں قدم جمائے وہاں کے علمی خزانے برباد کر کے چھین لیا۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے علم کو فروغ دیا اور اہلِ علم کی قدر کی۔ علماء و فضلاء پر ہمیشہ نوازشات کیں۔ عوام تو عوام اسلامی بادشاہوں تک نے اپنی بارگاہوں کو ہمیشہ علم کی شمعوں سے روشن رکھا اسلام نے ان عربوں کو جو صدیوں سے جہالت کے گڑھوں میں پڑے تھے، علم کی روشن فضا میں لا کھڑا کیا۔ مسجدِ نبویؐ کے فارغ التحصیل لوگ معلمِ اخلاق بن کر دنیا کے سامنے آئے۔ صفہ پر بیٹھ کر علومِ قرآنی کو ازبر کرنے والے دنیائے علم میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور جہاں جہاں گئے انسانیت کو جہالت کی تاریکیوں سے نجات دلاتے گئے۔ اسلامی دنیا نے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک اَن گنت مسجدیں، مسجدوں میں مدرسے اور ان کے ساتھ لاتعداد کتب خانے قائم کیے۔ مسجدوں میں تعلیم و تدریس کے دھارے بہنے لگے۔ آزادیِ فکر کی بدولت علمی مسائل پر بحث و مذاکرات ہوتے۔ ہر عالمِ دین ایک دار العلوم کی حیثیت رکھتا تھا۔ سفر میں، حضر میں، مسجد میں، گھر میں، طالب علموں میں گھرا رہتا اور وہ پوری آزادی کے ساتھ علم کے انوار بکھیرتا جاتا۔ ہر قوم اور ملّت کے افراد یکساں فائدہ اٹھاتے۔

اسلام کے ہاتھوں علم کی سربلندی

مسلمانوں کے علوم کا آغاز اس اُمّی آقا کی زبان معجز بیان کا مرہونِ منت ہے جسے وحیِ الٰہی "اقراء" کے لفظ کے ساتھ غارِ حرا سے اُٹھتی ہوئی شعاعوں سے کائنات کے

ذرہ ذرہ تک پہنچانا چاہتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا کائنات عالم پر

علوم کی نہیا باریاں کرنے والا نہ کسی کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھا اور نہ لکھنے کے لیے قلم تراشی کی زحمت گوارا کی مگر بایں ہمہ:

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملّت بہ شست

اوّلین مسلمانوں میں صرف دو صحابی ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جنگِ بدر کے غیر مسلم قیدیوں کو فدیہ کی ادائیگی چند مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا بھی قرار دیا گیا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ صفہ پر بیٹھ کر علم و کتاب کی طرف آگے بڑھے۔ یہ مکتب کی کرامت تھی یا نگاہِ رسولؐ کا کمال تھا۔ یہ مدرسہ ساری دنیا کے لیے ایک یونیورسٹی بن گیا اور ان کے علمی چرچوں سے چار دانگ عالم گونج اُٹھا۔

اسلام سے پہلے عربی علوم کا یہ عالم تھا کہ ایک کتاب بھی دنیائے عرب کے پاس نہ تھی۔ شاعری کے کمالات سینہ بسینہ محفوظ تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کو اپنے شعر منتقل کرتا رہتا۔ لیکن اسلام نے جو علمی ذہن تیار کیے انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اس زبان کو اوّل درجہ کی علمی زبان بنا دیا، صرف و نحو کے قواعد تیار کیے۔ فصاحت و بلاغت کے اصول بنائے لغات مرتب کیں اور بے شمار تصانیف سے اس زبان کو مالا مال کر دیا اور عربی کو دنیا میں "اُمّ الالسنہ" بنا کر پیش کیا۔ یہ تاریخی حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر تک دنیا کی کوئی زبان قدیم ہو یا جدید عربی کے علمی سرمائے کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی یورپ کے علوم اور کتب خانے تو دو سو پچاس سال کی پیداوار ہیں۔ اس سے پہلے صدیوں تک یورپی زبانیں فقیر تھیں اور ان کے پاس جو کچھ تھا عربی کتابوں کے تراجم تھے۔ یہ زبانیں عربی زبان کے دروازے کے سامنے دامن پھیلائے الفاظ کی دریوزہ گری کرتی تھیں۔ عربی زبان کی جس قدر تصانیف تھیں اٹھارھویں صدی تک دنیا کی ساری زبانوں کے مجموعی لٹریچر سے زیادہ تھیں۔

مسلمان اس حقیقت سے واقف تھے کہ علم ان کی میراث ہے اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان تھا کہ علم تمام انسانوں کی میراث ہے جہاں سے ملے مسلمان اسے اپنی متاعِ گم گشتہ سمجھے۔ وہ عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں سے اُٹھے اور چین کی دیوار کے اس پار علوم

حاصل کرنے جا پہنچے۔ وہ بغداد سے نکلے اور یونان کے کتب خانوں کو ازبر کرنے میں مصروف ہوگئے۔ انہوں نے یونان کے علماء کو تعصب سے نہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا اور ارسطو کو "معلم اوّل" کا خطاب دیا۔ مسلمان ایک طرف علم کے حصول میں بے تاب تھا، دوسری طرف اس کی تقسیم میں فیاض تھا۔

مسلمانوں کے علمی مقام کا اعتراف غیر مسلم محققین نے بھی کیا ہے۔ امریکی علامہ ڈریپر کی کتاب "معرکۂ مذہب و سائنس" کا ایک اقتباس اس حقیقت کے اعتراف کے لیے کافی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کو ابھی ایک صدی بھی نہ گزری تھی کہ یونان کی فنی کتابیں عربی زبان میں منتقل ہونے لگیں۔ بلند خیالات فطین عربی زبان میں منتقل ہونے لگے۔ المنصور نے اپنے عہدِ خلافت (۵۳ - ۷۷۵ء) میں بغداد کو عروس البلاد بنا دیا۔ وہ خود علم ہیئت کا مطالعہ کرتا۔

طب و قانون کے مدارس قائم کیے گئے۔ ہارون الرشید کے حکم سے سلطنت عباسیہ کی ہر مسجد کے ساتھ ایک مکتب قائم کیا گیا۔ مامون الرشید کا دورِ خلافت تو ایشیا کے لیے علوم و فنون کا سرمایۂ صد افتخار و نازش مانا جاتا ہے۔ مامون نے بغداد کو سائنس کا مرکز قرار دیا۔ عظیم الشان کتب خانے قائم کیے اور اپنے دربار کو علماء و فضلاء سے درخشاں کیا۔ جب عربی سلطنت تین حصوں میں بٹ گئی علم و حکمت کی ترقی و ترویج میں پھر بھی فرق نہ آیا۔ بنی عباس ایشیا میں، بنو فاطمہ مصر میں اور بنی اُمیّہ اندلس میں علم و حکمت کے دریا بہاتے رہے۔ شعر و ادب میں عربوں کا یہ دعوٰی بجا طور پر سچا ہے کہ ساری کائنات میں اتنے شاعر پیدا نہیں ہوئے جتنے عربی زبان میں پیدا ہوئے۔ سائنس میں وہ صرف یونانی حکماء کا تتبع نہ کرتے تھے بلکہ اسکندریہ کے علوم سے بھی مستفید ہوتے۔ وہ سائنس کی ترقی کو شاعری کی ترقی سے بالکل برعکس حقائق پہ پرکھتے تھے۔ وہ صحیفۂ فطرت کا عینی مشاہدہ کرتے۔ حکمت نظری سے بڑھ کر حکمتِ عملی پر عمل پیرا ہوتے وہ اپنے علوم کی بنیاد تجربے اور مشاہدے پر رکھتے تھے۔ ہندسہ، ریاضیات، استدلال و استنباط کے آلات تصور کرتے تھے۔ جر ثقیل، توازن مائیات پر بے پناہ کتابیں لکھیں اور ان کے تجربات سے یورپ اور امریکہ کی لیبارٹریوں کے ماہرین استفادہ کرتے :

وہ لقمان و سقراط کے دُرِ مکنوں — وہ اسرار بقراط و درس فلاطوں
ارسطو کی تعلیم سولن کے قانوں — پڑے تھے کسی قبر کہنہ میں مدفوں
یہیں آ کے مُہرِ سکوت اُن کی ٹوٹی
اسی باغِ رعنا سے بُو اُن کی پھوٹی

وہ فنِ کیمیا کے مُوجد تھے۔ تقطیر، تصعید، تسلیح (پگھلانے)، ترویق (چھاننے) کے سائنٹیفک آلات ایجاد کرتے گئے۔ انہوں نے ہیئت کے جو آلات ایجاد کیے وہ موجودہ ترقی پذیر ممالک کے لیے مشعلِ راہ بنے۔ اصطرلاب اور لعبۂ انہی مسلمان سائنس دانوں کی ایجاد ہیں۔ کیمیائی ترازو کو دنیا پہلے کب جانتی تھی۔ بغداد، اندلس اور سمرقند میں اوزان کی میزانیں اور ہیئت کے نقشے دنیا بھر کے لیے رہنما ثابت ہوتے تھے۔ علم ہندسہ، جبر و مقابلہ، اعداد نویسی میں نئے نئے اصول مرتب کیے۔

سمرقند سے اندلس تک سراسر — انہی کی رصدگاہیں تھیں جلوہ گستر
سواد مراغہ میں اور قاسیوں پر — زمیں سے صدا آ رہی ہے برابر
کہ جن کی رصد کے یہ باقی نشاں ہیں
وہ اسلامیوں کے منجم کہاں ہیں

اسلامی کتب خانے

خلیفہ ہارون الرشید نے علمی وسعت کے لیے ہزاروں کتب خانے قائم کیے۔ صدہا اونٹ قلمی کتابوں سے لدے ہُوئے بغداد میں داخل ہُوئے اور بغداد کی لائبریریوں کو مالا مال کر دیا۔ قسطنطنیہ کے خزانے کی بجائے مامون الرشید نے اس کے عظیم کتب خانے کو پا کر زیادہ مسرت کا اظہار کیا۔ اس طرح جمع کی جانے والی گرانقدر کتابوں کی تعداد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قاہرہ کے کتب خانہ فاطمیہ میں ایک لاکھ کتابیں نہایت پاکیزہ خط اور مزین جلدوں میں موجود تھیں اور ان کی تحریر میں شنگرف اور مرجان کی روشنائیاں استعمال میں لائی گئی تھیں۔ اس کتب خانہ میں چھ ہزار پانچ سو نسخے تو صرف علم ہیئت پر مشتمل تھے۔ کتب خانے میں دو کُرے تھے۔ پیتل کا کرہ بطلیموس نے بنایا تھا جس پر اس زمانے میں تین ہزار دینار خرچ آئے۔ چاندی کا کرہ ساری زمین کی گردش اور جغرافیائی معلومات

بہم پہنچانے میں مدد دیتا۔

اندلس کے خاص کتب خانوں میں کتابوں کی تعداد چھ لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی صرف ان کی فہرست چالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔ اس شاہی کتب خانہ کے علاوہ شہر میں کتب خانے ایسے تھے جن میں ہر شخص اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر مطالعہ کر سکتا۔ ذاتی کتب خانے اس سے کہیں زیادہ تھے ان لوگوں کی علم دوستی کا اندازہ صرف اس واقعہ سے لگائیں کہ جب سلطان بخارا نے ایک اندلسی طبیب کو اپنے دربار میں طلب کیا تو اس نے یہ کہہ کر جانے سے انکار کر دیا کہ اس کی کتابوں کی باربرداری کے لیے چار سو اونٹ درکار ہیں۔

ان کتب خانوں کے انتظام نے مسلمانوں کی علم دوستی کو شہرت دوام بخش دی تھی۔

ہر کتب خانہ میں نقل و ترجمہ کا ایک شعبہ قائم تھا۔ ایک نسطور طبیب حنین نامی نے بغداد میں اپنے کتب خانے میں ایسا شعبہ قائم کیا جس سے چین اور ہندوستان کے اہل علم گھر بیٹھے استفادہ کرتے۔ یہ شخص ارسطو، بقراط اور جالینوس کی کتابوں کے تراجم کی اشاعت کرتا۔ جدید تصانیف اہل قلم کا محبوب مشغلہ تھا۔ ہر دربار میں ایک شعبہ ہوتا جو اہل قلم سے مختلف موضوعات پر تالیفات کا اہتمام کرتا اور ان کی سرپرستی کے لیے فیاضانہ سلوک ہوتا۔ قصص و حکایات میں الف لیلیٰ عربوں کے ذوق افسانہ نویسی کا پتہ دیتی ہے۔ تاریخ، اصول، فقہ، سیاست، فلسفہ، سیر اور سوانح عمریاں نہ صرف جلیل القدر انسانوں ہی کی ترتیب دی جاتیں بلکہ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں اور اونٹوں تک کے حالات پر لکھا جاتا تھا۔ کتابوں میں استعمال ہونے والا کاغذ خصوصیت کے ساتھ ان اجزا سے تیار کیا جاتا جو صدیوں پائیدار رہتا۔ رنگا رنگ روشنائیاں تیار کی جاتیں جن کی آب و تاب صدیوں موجود رہتی۔ پھر نقش و نگار اور مطلّیٰ و مذہب جلدیں کتاب کی دیدہ زیبی اور حفاظت کی امین بن جاتیں۔

دنیائے اسلام کے اس اہتمام نے علوم و فنون کی روشنی کو چاروں طرف پھیلا دیا۔ منگولیا، تاتار، ایران، عراق، شام، مصر، شمالی افریقہ، مراکش، فاس اور اندلس میں درس گاہوں نے انسانی سینوں کو علوم و فنون کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ یہ علوم نہ ہندوستان کے ہندوؤں کی جائداد رہا نہ یونانیوں کے حکمرانوں کا غلام، بلکہ اپنی ذہانت کے مطابق ایک عامی سے عامی

انسان ان مراتب کو حاصل کر سکتا جو اہل علم کے حصول میں آتے ہیں۔ اس عظیم اسلامی سلطنت کے ایک کنارے پر سمرقند کی رصد گاہیں اور کتب خانے اور دوسرے کنارے پر اندلس کی شہرہ آفاق آفاقی مینار آسمان سے ہمکلام تھے۔

مدارس اور مکاتب کی نگرانی خصوصیت سے ہوتی تھی اور اس نگرانی کے لیے عیسائی اور یہودی علماء کی خدمات حاصل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا جاتا۔ مامون الرشید کا یہ مقولہ تھا کہ:

"اہل علم و فضل خدا کے برگزیدہ بندے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی انسانی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ وہ لوگوں کو علم و حکمت کے نکتے سمجھاتے ہیں۔ وہ نظام کائنات کی شیرازہ بندی کرتے ہیں اور محفل کون و فساد کی شمعیں روشن رکھتے ہیں۔ اگر یہ لوگ انتھک کوشش نہ کرتے تو دنیا جہالت و وحشت کے اتھاہ اندھیروں میں ماری ماری پھرتی۔"

اقوام عالم نے علوم انسانی کو ترقی دینے کے باوجود اسے محدود طبقوں اور مخصوص گروہوں اور خاندانوں کے لیے مختص کر دیا تھا مگر اسلام ہی ایک ایسا مذہب تھا جس نے علم و فضل سے فیاضانہ سلوک کیا۔ اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز مٹا دی۔ غلام امام بن گئے اور غریب والدین کے بیٹے مسلمان بادشاہوں کی مسند کے ساتھ عزت و وقار کی جگہ بیٹھنے لگے۔ اس علمی فیاضی نے صرف مسلمان قوم کو دولت علم سے مالا مال کیا بلکہ علماء اسلام نے دیگر اقوام کے بچوں کو بھی اسی محبت اور شفقت سے تعلیم دی جو انہیں اپنی قوم کے طالب علموں سے تھی۔ اندلس کے مکاتب اور مدارس یورپ کے طالب علموں کے لیے ہر وقت کھلے رہتے اور وہ علوم و فنون کی دولت سے دامن مراد بھر بھر کر اپنے گھروں کو لوٹتے اور یورپ کے تاریک گوشوں کو روشن کرتے۔

نواسنجیاں ان سے دیکھیں یہ سب نے
زباں کھول دی سب کی نطق عرب نے

اسلام کا پہلا اعلان جسے ساری دنیا کی مہذب قومیں سن کر انگشت بدنداں رہ گئیں۔ وہ صرف علم کی برتری کا اعتراف کرتا ہوا مینار نور بن کر کائنات ارضی کے دامن پر ابھرا۔ وہ تحصیل علم کے لیے چین تک سفر کرتا گیا۔ وہ علم پھیلانے کے لیے اصحاب صفہ سے لے کر بوعلی سینا تک [illegible]

سلوک کرتا گیا۔ وہ ہر مسلمان مرد اور عورت کو زیورِ علم سے آراستہ کرتا گیا۔ وہ تسخیرِ کائنات کے دعویٰ کے ساتھ آفتاب و ماہتاب کی بلندیوں کو روندتا گیا۔ وہ طلسمات، سحر، توہمات اور ٹونے ٹوٹکوں کی دنیا کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے حقائق کی دنیا میں بڑھتا گیا اور علم کے تمام خزانے ڈنکے کی چوٹ سے لٹاتا گیا۔ وہ عرب و عجم، مشرق و مغرب، گورے کالے کے دامن کو علم کی دولت سے بھرتا گیا۔

آپ تھوڑی دیر کیلئے رفتارِ فکر کو روکیے اور غارِ حرا کے اس معلمِ برحق کے سامنے سرِ تسلیم جھکا دیجئے جسے وحی الٰہی سب سے پہلا لفظ "اقرأ" پہنچا رہی ہے اور تخلیق کائنات کا مقصد پڑھنا اور قلم سے لکھنا بتاتی ہے۔ علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم کا اعلان کر کے حضرت انسان کو ان تمام علوم سے واقف کرنے کا اعلان کرتی ہے جس سے اسے آج تک محروم رکھا گیا تھا۔ وہ انسان کو ان تمام علوم کا عالم بنانے کے پروگرام مرتب کرتی ہے جسے وہ پہلے نہ جانتا تھا۔ اسلام کا یہ اعلان تاریخ انسانی کا سب سے بڑا واقعہ تھا جو صرف اہلِ ایمان کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے علم و فضل کے دروازے کھول دینے کا موجب ہوا۔

غارِ حرا سے نکل کر جب اُمّی لقب عالمِ ماکان و مایکون (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ اور مدینہ کی شہری دنیا کے سامنے آتا ہے تو سب سے اوّلین کام جہالت کے اندھیروں کو دُور کرنے اور علم کی روشنی پھیلانے کا ہوتا ہے۔ علم کی نعمتِ عظمیٰ تقسیم کرنے والا اپنے مدرسہ میں آقا و مولیٰ، عربی و حبشی کے امتیاز کو مٹا کر علم کے دریا بہا دیتا ہے۔ یہ علم انسانی اصلاح کے لیے کیمیا تھا۔ قرآن کی تعلیمات نے انسان کو "علم الانسان ما لم یعلم" کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ اور "سخر لکم ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض جمیعاً منہ" کی بشارت دے کر بے کس انسان کو اوجِ ثریا کی بلندیوں تک پہنچا دیا اور "رب زدنی علماً" کے نعروں کے ساتھ علمی بلندیوں تک لے گیا۔ تعمیرِ انسانیت کے لیے آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور کتاب و حکمت کی تعلیم ایک ایسا نسخۂ کیمیا تھا جس نے جہالت کے زنگ آلود سینے نورِ علم و عرفان سے چمکا دیئے۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

علم اور علماء کی فضیلت

تحصیل علم اور اشاعتِ علم مسلمان قوم کا مقصدِ حیات بنا دیا گیا تو اس کی فضیلت اور علماء کے مقام کو بھی متعین کیا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ حدیث بیان کی ہے:

"جو لوگ خدا کے کسی گھر میں جمع ہو کر قرآن کی تعلیم یا مذاکرے میں مشغول ہوتے ہیں تو رحمتِ الٰہی کے فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں۔ ان پر انوارِ خداوندی نازل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب ملائکہ میں ان کا تذکرہ کرتا ہے۔ تلاش علم کے لیے راہ چلنے والوں کے لیے جنت کی راہیں کھول دی جاتی ہیں۔"

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ نے مجھے جو علم و ہدایت دی ہے وہ اس تیز بارش کی طرح ہے جو برس کر خشک زمین کو سیراب کر دیتی ہے اور اس مردہ زمین میں ہرا بھرا سبزہ نمودار ہوتا ہے۔ ایک اور زمین پر برسا تو اس میں مخلوقِ خدا کے لیے پانی جمع ہو گیا جس سے مویشی سیراب ہوتے رہے اور مخلوقِ خدا اپنے کھیتوں میں آب پاشی کرتی رہی۔ مگر ایک زمین ایسی بھی تھی جس پر علم و حکمت کی بارش تو ضرور ہوئی مگر نہ سبزہ اگا نہ پانی بھرا۔ پہلے دونوں مقامات ان لوگوں کو ملے جو علم و ہدایت کی روشنی میں عمل کرتے گئے اور انسانیت کو فائدہ پہنچاتے گئے مگر کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو علم حاصل کرتے رہے مگر عمل سے فائدہ نہ اٹھایا اور ہدایت سے محروم رہے۔"

زر بن حبیش سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُرخ چادر سے ٹیک لگائے مسجد میں تشریف فرما تھے۔ قبیلہ مراد کا ایک شخص صفوان بن عالی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا:

"یا رسول اللہؐ! میں علم کی تلاش میں حاضر ہوا ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا: "مرحبا اے طالب علم! فرشتے طالب علم کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں۔ ان کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ نچلے آسمان پر رحمت کے فرشتے بھر جاتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

"میری اُمت کے عالم دُو قسم کے ہیں : ایک وُہ جنہیں خدا نے علم بخشا وہ لوگوں کو بے دریغ تقسیم کرتے گئے اور دنیاوی طور پر کچھ حاصل نہ کیا۔ ایسے علماءِ دین کے لیے آسمان کے فرشتے، زمین کے مویشی اور فضا کے پرندے، پانی کی مچھلیاں اور کراماً کاتبین تک خدا کے حضور میں دُعا کرتے ہیں۔ ایک وُہ ہیں جو علمِ دین کی اشاعت میں بخل سے کام لیتے رہے اور دنیاوی نفع کے بغیر ایک حرف بھی نہ پڑھایا۔ ان لوگوں کو قیامت کے دن آتشیں لگام چڑھا کر پیش کیا جائے گا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جس نے علم کی جستجو کی اور حاصل کر لیا، خدا اسے دُو حصّے ثواب دیتا ہے، لیکن جس نے صرف تلاشِ علم کی مگر حاصل نہ کر سکا وُہ ایک حصّہ ثواب کا مستحق ہوگا۔"

حضرت امام یوسفؒ کا بیان ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے ساتھ حجِ بیت اللہ کو گیا۔ اس وقت میری عمر سولہ سال تھی۔ میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا جسے لوگ اپنے گھیرے میں لیے کھڑے تھے۔ میں نے اپنے والد سے پُوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ رسولِ خدا کے صحابی عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے التجا کی کہ مجھے اُن کے پاس لے چلیے تاکہ اپنے کانوں سے حضورؐ کی حدیث سُن لوں۔ میرے والد عوام کی بھیڑ چیرتے ہوئے صحابی کے پاس لے گئے وہ اس وقت بیان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص دینِ الٰہی میں تفقہ کر لیتا ہے خدا اسے فکرِ معاش سے اس طرح سبکدوش کر دیتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتا۔

حسن راوی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا : "میرے جانشینوں پر خدا کی رحمت، میرے جانشینوں پر خدا کی رحمت، میرے جانشینوں پر خدا کی رحمت!" صحابہ نے عرض کیا : یا رسول اللہؐ! آپ کے جانشین کون ہیں؟ آپ نے فرمایا : "جو میری سنّت سے محبت رکھتے ہیں اور بندگانِ خدا کو تعلیم دیتے ہیں۔"

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت حماد بن ابراہیمؒ سے "الموازین القسط لیوم القیامۃ" کی تفسیر بیان کی ہے کہ قیامت کے دن آدمی کا عمل ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا وہ اونچا ہو جائے گا۔ پھر بادل جیسی ایک چیز لائی جائے گی اور ترازو کے دُوسرے پلڑے میں رکھ دی جائیگی وہ جُھک جائے گا تب آدمی سے کہا جائے گا۔ تم جانتے ہو یہ کیا چیز ہے؟ وُہ خاموش رہے گا تو اسے بتایا جائے گا کہ یہ تیرے علم کی فضیلت ہے جو بندگانِ خدا کو سکھایا کرتا تھا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے وحی میں فرمایا : "میں علیم ہوں اور ہر صاحبِ علم سے محبت کرتا ہوں۔"

العلم فیہ حیاۃ للقلوب

کما تحیا البلاد اذا ما مسہا المطر

دلوں کے لیے علم اس طرح زندگی بخش ہے جس طرح مینہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔

والعلم یجلو العمٰی عن قلب صاحبہ

کما یجلی سواد الظلمۃ القمر

علم دل سے جہالت کی بے بصری کو اس طرح زائل کر دیتا ہے جس طرح چاند اندھیرے کو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں گئے تو صحابہ کے دو حلقے دیکھے ایک میں ذکرِ خداوندی کا زور تھا اور دُوسرے میں مسائل دین کی تعلیم و تعلم کا۔ آپ نے فرمایا : دونوں حلقے اچھے ہیں مگر یہ لوگ جو علمِ دین سیکھتے ہیں اور بے علموں کو سکھاتے ہیں زیادہ افضل ہیں۔ میں خود بھی معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ علمی حلقہ میں شریک ہو گئے۔

عبداللہ بن ابی جعفر فرمایا کرتے تھے : "علماءِ اسلام دنیا کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔ انھی سے وُہ نور پھُوٹتا ہے جس سے گم راہ ہدایت پاتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود کا مقولہ ہے کہ وُہ مجلس کیا ہی خُوب ہے جس میں علم کی اشاعت اور رحمت کی اُمید کی جاتی ہے۔

خوشا مسجد و مدرسہ خانقاہے

کہ در وے بود قیل و قال محمد

امام زہریؒ فرمایا کرتے تھے کہ "علم سے بہتر کوئی طریقہ نہیں جس سے عبادتِ الٰہی ممکن ہو۔"

حضرت معاذؓ بن جبل کا آخری وقت آیا تو کنیز سے فرمانے لگے: صبح ہوگئی؟ اس نے عرض کیا: ابھی نہیں۔ ایک لمحہ چپ رہے پھر فرمایا: اب دیکھ۔ کہنے لگی: ہاں صبح ہوگئی۔ آپ نے فرمایا: "ایسی صبح سے پناہ مانگتا ہوں جو دوزخ کی طرف لے جانے والی ہو۔" پھر کہنے لگے: مرحبا اے موت! اے مہمان مرحبا! جو فاقہ زدہ گھر میں آتا ہے۔ جو کوئی نادم ہوا ہلاک ہوگیا۔ اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ معاذ دنیا میں رہنے کا مشتاق نہ تھا، نہ باغ لگانے نہ نہریں نکالیں۔ وہ تو بس اسی لیے زندہ تھا کہ دن بھر مشقت سے خدمتِ خلق کرے۔ سارا دن گلا خشک کردینے والی پیاس برداشت کرے اور علمی حلقوں میں علماء کے ہجوم میں رہا کرے۔ آپ حضورؐ کی ایک حدیث بیان کرتے تھے کہ "عالم زمین پر خدا کا امین ہے۔"

حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے: علم کا ایک باب سیکھنا، اس پر عمل کرنا دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود لڑکوں کو پڑھتے دیکھتے تو فرماتے: "شاباش! تم حکمت کے سرچشمے ہو، تاریکی میں روشنی ہو، تمہارے کپڑے پھٹے پرانے ہیں مگر دامنِ دل تروتازہ ہے۔ تم علم کے مکتبوں میں قید ہو، مگر تم قوم کے مہکنے والے پھولوں کی حیات بخش خوشبو ہو۔"

عبداللہ ابن مبارک روایت کیا کرتے تھے کہ حضرت سلیمان کو اختیار دیا گیا کہ علم لیں یا سلطنت۔ آپ نے دولتِ علم کو ترجیح دی۔ خدا نے ان کو علم بھی دیا اور دولتِ سلطنت بھی۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی ہے: علم حاصل کرو کیونکہ لوجہ اللہ علم کی تعلیم خشیت ہے۔ علم کی طلب عبادت ہے۔ علم کا مذاکرہ تسبیح، علم کی تلاش جہاد ہے۔ بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے۔ مستحقوں میں علم پھیلانا تقرب ہے۔ علم حلال و حرام میں تمیز سکھاتا ہے۔ جنت کے راستوں کو روشن کرتا ہے۔ تنہائی کا مونس ہے۔ سفر میں رفیقِ راہ ہے۔ خلوت میں ندیم ہے، راحت و مصیبت کا ساتھی ہے۔ دشمن کے مقابلہ کا ہتھیار ہے۔ دوستوں کی مجلس کی زینت ہے۔ علم کی بدولت اللہ تعالیٰ اتنا بلند رتبہ دیتا ہے کہ لوگ صدیوں اس کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ عالم کی سیرت کو نمونہ بنا دیا جاتا ہے۔ ملائکہ ان کی خدمت پر فخر کرتے ہیں، اپنے پر بچھاتے ہیں، ان کی مغفرت چاہتے ہیں۔ زمین کے

بکھرے مکوڑے، خشکی کے درندے چرندے دعا کرتے ہیں۔ جہالت کی موت میں علم دلوں کو زندگی دیتا ہے۔ تاریکی میں آنکھوں کو روشنی پہنچاتا ہے، علم میں غور و فکر روزے کے برابر ہے۔ علم کی مشغولیت قیام فی الصلوٰۃ کے ہم پلہ ہے۔ علم سے رشتے استوار ہوتے ہیں۔ علم عمل کا رہنما ہے عمل علم کا پیروکار ہے۔ خوش نصیب علم سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور بدبخت محروم رہتے ہیں۔

عبدالرزاق راوی ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ کو ایک عرب سے کہتے سنا، اے قوم عرب! علم حاصل کرو ورنہ مجھے ڈر ہے کہ علم تم سے نکل کر غیروں میں چلا جائے گا اور تم ذلیل ہو کر رہ جاؤ گے علم حاصل کرو کیونکہ علم دنیا میں بھی عزت اور آخرت میں بھی عزت ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا ارشاد ہے: "سینے میں علم کی مثال یہ ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے لڑکوں کو نصیحت کی کہ علم حاصل کرو کیونکہ مال دار ہوئے تو علم تمہارا جمال ہوگا۔ غریب ہے تو علم تمہارے لیے دولت ثابت ہوگا۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے: "علم مال سے بہتر ہے۔ مال کی نگہبانی کرنا پڑتی ہے مگر علم تمہارا نگہبان ہوتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ علم حاکم ہے مال محکوم۔ مالدار چل بسے لیکن علم والے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ علم والوں کے جسم تو مٹ سکتے ہیں مگر ان کے کارنامے تا ابد زندہ رہتے ہیں۔

رضینا قسمت الجبار فینا | لنا علم و للجہال مال
فان المال یفنی عن قریب | فان العلم باق لا یزال

جعفر بن صادق کہا کرتے تھے ان کا اصل کمال تفقہ فی الدین ہے۔ مصیبت میں ثابت قدم ہو، معیشت درست رہے۔ ابلیس کسی کی موت سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا عالم کی موت سے خوش ہوتا ہے۔ علماء بارانِ رحمت ہیں جہاں بھی ہوں گے نفع پہنچائیں گے۔

ابن المقفع نے کہا کہ اگر تمہیں دولت اور طاقت کی وجہ سے عزت ملے تو خوشی کا اظہار نہ کرو۔ یہ عزت ناپائیدار ہے۔ ہاں علم یا دین کی وجہ سے عزت ملے تو مسرت کا اظہار کرو یہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔

لقمان حکیم نے فرمایا: سب سے افضل انسان مومن عالم ہے، وہ جہاں جاتا ہے ہمیشہ

بھلائی کرتا ہے۔

حجاج بن یوسف نے خالد بن صفوان سے پوچھا: بصرے کا سردار کون ہے؟

خالد نے جواب دیا: حسن!

تعجب کرتے ہوئے حجاج نے کہا: وُہ کیسے! حسن تو غلام کی اولاد ہے۔

خالد نے کہا: حسن اس لیے سردار ہے کہ لوگ اپنے دین میں ان کے محتاج ہیں اور وُہ دنیاداروں کی دولت کے محتاج نہیں۔ میں نے بصرے میں ایسا کوئی شریف آدمی نہیں دیکھا جو حسن کی مجلس میں جانے کی تمنا نہ رکھتا ہو۔ سب ان کا وعظ سنتے ہیں اور وہ علم کا نور بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔

یہ سن کر حجاج پکار اٹھا: "واللہ! یہی سرداری ہے"۔

علم اور عبادتِ الٰہی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: تھوڑا علم بہت عبادت سے بہتر ہے۔ انسان اگر خدا کی بندگی کرے تو تھوڑا علم بھی کافی ہے۔ تھوڑی جہالت بھی بہت بُری ہے، اگر انسان کو مغرور بنا دے۔ آدمی دو قسم کے ہیں، عالم اور جاہل۔ عالم سے کج بحثی نہ کرو اور جاہل سے گفتگو نہ کرو۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ سب سے اچھا دین وُہ ہے جو سب سے آسان ہے اور سب سے بہترین عبادت فقہ (علم) ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ہی اچھا تحفہ ہے اور کیا ہی عمدہ سوغات ہے۔ علم و حکمت کا ایک بول جسے تم نے سُنا اور یاد کر لیا۔ مسلمان بھائی سے ملے اور سکھا دیا۔ ایسا ایک عمل سال بھر کی عبادت کے برابر ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں: علم کا ایک باب اپنی اصلاح کے لیے حفظ کرنا سال بھر کی عبادت سے افضل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حزام بن حکیم کو بتایا: تم ایسے زمانے میں ہو جس میں علماء بہت ہیں اور لفاظ کم۔ مانگنے والے تھوڑے ہیں اور دینے والے زیادہ۔ لیکن ایسا زمانہ بھی آئے گا، جب علماء کم ہوں گے لفاظ زیادہ ہوں گے۔ دینے والے تھوڑے ہوں گے اور

مانگنے والے زیادہ۔ اس زمانہ میں علم عمل سے بہتر ہو گا۔

قتادہؓ فرماتے ہیں: میرے نزدیک پوری رات علمی مذاکرے میں گزارنا عبادت میں کھڑے رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے: اگر میں ایک رات تھوڑا سا وقت دین میں تفقہ حاصل کروں تو مجھے اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ شام سے صبح تک عبادت میں مشغول رہوں۔

امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے، طلبِ علم نمازِ نفل سے افضل ہے۔

سفیان ثوریؒ حدیث نقل کرتے ہیں کہ اگر تم نکلو اور علم کا ایک باب بھی سیکھ لو تو یہ تمہارے لیے سَو رکعت نماز سے بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کا ستون ہوتا ہے۔ اس دین کا ستون علم ہے۔ تفقہ فی الدین سے بہتر خدا کی عبادت کسی اور طریقے سے نہیں کی گئی۔ شیطان پر ایک اکیلا عالم ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: قائم اللیل اور صائم النہار عابد کی موت حلال و حرام کی تمیز کرنے والے عالمِ دین کی موت کے سامنے ہیچ ہے۔

ازدی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جہاد کے بارے پُوچھا تو آپ نے فرمایا، آؤ جہاد سے اہم کام بتاؤں۔ مسجد بنا کر علم دین کی تعلیم و تدریس میں مشغول ہو جاؤ۔

موت کے بعد علم کے فوائد

حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ موت انسان کے تمام اعمال منقطع کر دیتی ہے۔ لیکن تین چیزیں موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہیں۔ صدقہ جاریہ، فیض رساں علم اور نیک اولاد، جو مرنے والے کے لیے دُعا کرتی ہے۔

ابو قتادہؓ فرماتے ہیں: حضورؐ نے موت کے بعد تین چیزوں کا ہمیشہ زندہ رہنے کا بتایا ہے اور وُہ ہیں: ایسا صدقہ جس کا ثواب جاری و ساری رہتا ہے۔ ایسی نیک اولاد جو اپنے نیک کردار سے والدین کے لیے نیک دعائیں کرتی ہے اور ایسا علم جس کی اشاعت بندگانِ خدا کو نیک اعمال پر آمادہ کرتی ہے۔

کتابی علم

اسلام عرب کی سرزمین میں آیا۔ اس وقت عربوں کے ہاں لکھنے کا بہت کم رواج تھا وہ جو کچھ سنتے ازبر کر لیتے یا سینہ بسینہ دوسروں تک پہنچاتے۔ زمانۂ جاہلیت کی شاعری کسی کتابی تحریر میں مدوّن نہ تھی بلکہ ہزاروں اشعار نوکِ زبان پر تھے۔ خدا کا کلام نازل ہوا تو ابتداء میں اسے صحابہ یاد کرتے اور قرآن پاک کے کچھ حصّے کسی کو یاد ہوتے اور دوسرے حصے کسی کو۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات (احادیث) بھی نوکِ زبان پر ہوتے۔ مگر علمی دنیا میں ان احکامات کی بڑھتی ہوئی اہمیت اس امر کی متقاضی تھی کہ ان جواہر پاروں کو ضبطِ تحریر میں لایا جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو کتابی شکل میں مدوّن کرنے کا اہتمام کرایا کاتبِ وحی مقرر ہوئے اور بڑے اہتمام سے کلامِ ربّانی کو ضبطِ تحریر میں لایا جانے لگا۔ دربارِ رسالت کے فرامین اور پھر مختلف قبائل و اقوام سے معاہدے تحریری طور پر سامنے آئے۔ کتاب و تحریر اشاعت علوم اسلامیہ کے لیے بڑی ضروری تھی اور اس کے دُوررس نتائج برآمد ہوئے۔

ابتدائی دور میں بعض روایات ایسی ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ دُوسری تحریروں کی ممانعت کر دی گئی تھی مگر اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہیں کہ کہیں کلامِ ربانی کو کلام انسانی میں خلط ملط نہ کر دیا جائے لیکن جب اس بات کا اہتمام کر لیا گیا کہ ایسا نہیں ہوگا تو احادیث کو ضبطِ تحریر میں لایا جانے لگا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ قرآن کے بغیر کچھ نہ لکھو۔ جس کسی نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو وُہ مٹا ڈالے اسی اہتمام کا نتیجہ تھا۔

ایک دفعہ حضرت زیدؓ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے۔ حضرت معاویہؓ نے آپ سے حضورؐ کی ایک حدیث سُنی تو اپنے منشی کو لکھنے کا حکم دیا۔ حضرت زیدؓ نے کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ اس حدیث کو مٹا دیا گیا۔

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے خطبے میں فرمایا کہ قرآن کے علاوہ جو بھی کسی کے پاس ہے مٹا دیا جائے۔

ابو نضرہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے عرض کیا: کیا ہم آپ سے جو کچھ سنتے ہیں لکھ لیا کریں، تو آپ نے فرمایا: کیا تم میری گفتگو کو کلامِ ربّانی بنانا چاہتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ باتیں یاد کرنے کا حکم دیا تھا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کی تدوین کا حکم دیا تھا مگر بعد میں اس خدشہ سے کہ قرآن پاک سے خلط ملط نہ ہو جائے یہ حکم واپس لے لیا۔ غرضیکہ ایسی روایات ہمیں جا بجا احادیث میں ملتی ہیں جن میں تحریر و کتابت سے منع فرمایا گیا۔ ان احکامات سے مراد یہ تھی کہ قرآن پاک کو احادیث یا دوسرے اقوال سے خلط ملط ہونے سے روک دیا جائے دوسرے حفظ کی عادت ختم نہ ہو جائے اور لوگ صرف تحریر پر انحصار کر کے نہ بیٹھ جائیں۔ بایں ہمہ ایک زمانہ آیا جب تحریر و کتابت کی اجازت ملی اور تدوین حدیث کا کام ہونے لگا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ کے بعد یمن کا ایک شخص ابوشاہ کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہؐ! یہ خطبہ مجھے لکھ دیجیے۔ آپ نے صحابہؓ کو حکم دیا: ابوشاہ کو لکھ دو۔ حضرت ابوہریرہؓ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے عبداللہ بن عمروؓ سے زیادہ کسی کے پاس احادیث نہ تھیں، کیونکہ وُہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میری عادت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرمایا کرتے میں لکھ لیا کرتا۔ قریش نے مجھے ایسا کرنے سے روکا اور کہا: بعض اوقات حضورؐ خفا ہوتے ہیں تو میں نے لکھنا موقوف کر دیا۔ کچھ دن بعد میں نے اس بات کا تذکرہ حضورؐ سے کیا تو آپ نے اپنی انگلی منہ کی طرف اٹھاتے ہوئے فرمایا: لکھا کرو۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلا۔

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کو کتاب میں لکھا کرو۔ ضحاک فرمایا کرتے تھے: جب کچھ سنو لکھ لیا کرو۔ اگر کاغذ نہ ملے تو دیوار پر ہی سہی۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ سفر میں ہوتا تو وُہ کوئی حدیث بیان کرتے تو میں کجاوے کی لکڑی پر لکھ لیتا، بعد میں گھر پہنچ کر کتاب میں نقل کر لیتا۔ ابو قلابہ فرمایا کرتے: بھول جانے سے لکھ لینا بہتر ہے۔ ابو ملیح فرمایا کرتے تھے کہ ہماری تحریر پر اعتراض کرنے والے "علمہا عند ربی فی کتاب" پر غور کیوں نہیں کرتے؟

یہ تھے وہ حالات جو اسلام کی ابتدائی زندگی میں درپیش تھے اور یہ تھا آغاز جو آگے چل کر کتابی علوم کی بنیاد بنا اور اسی تحریر نے اسلامی احکامات کی اشاعت ساری کائنات تک پہنچا دی۔

معاویہ بن قرہ کا مقولہ ہے: جو شخص لکھتا نہیں اسے عالم ہی نہ سمجھو۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا درس تفسیر لوگ لکھ لیا کرتے تھے اور یہ کتابیں صدیوں لوگوں کے لیے مشعلِ راہ رہیں۔ ہشام کہتے تھے کہ میرے والد مرحوم کی کتابیں یوم حرہ (یزید کے دورِ حکومت کا مشہور واقعہ) میں جل گئی تھیں۔ بعد میں آپ فرمایا کرتے تھے، کاش! اہل و عیال مال و دولت کی بجائے یہ کتابیں محفوظ رہتیں۔ سعید بن ابراہیم نے بیان کیا کہ عمر بن عبد العزیز نے ہمیں سنن (احادیثِ رسول ﷺ) لکھنے کا حکم دیا۔ اس طرح ہم نے کئی کتابیں تیار کرائیں جو مملکت کے ایک ایک شہر میں بھیج دی گئیں۔

یہ مسلمانوں کا ابتدائی دور تھا۔ اشاعتِ دین کے لیے یہ ان کی محدود کوشش تھی مگر ایک دور آیا کہ دینِ اسلام کی اشاعت مسلمان بادشاہوں نے سرکاری حیثیت سے اپنے ذمہ لے لی اور دفتروں کے دفتر تیار ہوئے، کتب خانے قائم ہوئے اور ان کتابوں کو اکنافِ عالم تک پھیلایا گیا۔ آج جب ہم اسلام کے علمی ورثہ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ کتنے باعزم تھے جو لکھنے پر آتے تو دفتروں کے دفتر بھر دیتے۔ امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر کا مسودہ ایک سو چالیس اونٹوں پر لادا گیا تو آپ رُک گئے اور فرمانے لگے: اتنی مبسوط کتاب کون پڑھے گا اختصار کیا تو پھر بھی تفسیر کبیر ہی کہلائی۔ علامہ سرخسی نے مبسوط شریف قید کے کنوئیں میں املا کرائی۔ مگر آج اس کتاب کی تیس ضخیم جلدیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ کیا تھے۔ علامہ سیوطی کی کتابیں، امام غزالی کی نگارشات اور پھر علماءِ عرب و عجم کے وُہ ذخائرِ علم جس سے کتاب خانے معمور ہیں مسلمانوں کی تحریری قوت اور کتابی اشاعت دین کے ذوق کا پتہ دیتے ہیں۔ متقدمین میں اکثر ایسے علماء گزرے ہیں جن کی کتابیں حدو شمار سے باہر ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے وصیت کی تھی کہ لکھتے وقت قلم تراشی کے وُہ چھلکے جو ایک گوشے میں محفوظ کر دیا کرتے تھے میرے غسل کا پانی گرم کرنے کے لیے کام میں لائے جائیں۔ ان بزرگوں کی نگارشات کو بعض دفعہ دیکھ کر نہ صرف حیرت ہوتی ہے بلکہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی مختصر سی زندگی میں اتنا بڑا کام کس طرح

سرانجام دیا۔ ہم اسی لیے اسے قلمی کرامت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہمارے اپنے زمانے میں اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور ذوقِ تحریر کا اندازہ لگانے کے لیے یہ بات کتنی حوصلہ افزا ہے کہ آپ نے ایک ہزار علمی کتابیں ترتیب دیں جو علماء اہلسنت کی تربیت علمی کے لیے گرانقدر سرمایہ ہیں۔

علماءِ سلف اس میدان میں دوسری اقوام کے لیے بھی مقامِ رشک رہے۔ شیخ ابن جوزی نے برسرِ منبر اعلان کیا تھا کہ انہوں نے دو ہزار جلدیں سپردِ قلم کی ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معین نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ امام ابو اسامہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر میں اشعارِ عرب کا اتنا بڑا ذخیرہ ترتیب دیا کہ اسی قبائل کے شعراء کا سارا کلام جمع کر دیا۔ پھر ایک ایک قبیلے کا مجموعہ اشعار جمع کرنے کے بعد ایک ایک قرآن پاک کا نسخہ لکھ کر مسجد میں رکھواتے۔ امام طبری نے اپنی عمر میں اوسطاً چالیس ورق روزانہ کے حساب سے احادیث لکھیں۔ قرآن پاک کے کاتبوں کی "تاریخ" سامنے رکھی جائے تو ان کے خط کی نفاست آج بھی نظر کو خیرہ کر دیتی ہے۔

تحصیلِ علم کی اہمیت

تحصیلِ علم کے لیے اسلام نے بڑا زور دیا ہے۔ جنگِ بدر کے وُہ قیدی جو فدیہ دینے سے عاجز تھے، مسلمان بچوں کو پڑھانے لکھانے کے صلہ میں آزادی کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔ پھر سرکارِ دو عالم ﷺ نے تحصیل علم کے مواقع اُمت کے لیے مہیا کیے۔ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اصحابِ صفہ کے لیے باقاعدہ مکتب ترتیب دیا گیا۔ طالب علموں کو شوق دلایا جاتا۔ پڑھنے پڑھانے والے کو بہترین اُمت قرار دیا جاتا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لڑکا طلب علم اور عبادات میں نشوونما پاتا ہے اور جوان ہوتا ہے اور اس طرح زندگی بسر کرنے کا عزم کرتا ہے اسے ستر صدیقوں کا ثواب ملتا ہے۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: بچپن کا تحصیلِ علم پتھر پہ لکیر کی طرح ہوتا ہے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کم عمری میں جو کچھ یاد کر لیا وہ میرے ذہن پر اس طرح منقش ہے جیسے ایک کتاب سامنے کھلی ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے بچوں اور بھتیجوں کو فرمایا کرتے تھے: آج علم سمیٹ لو، کل تم جوان ہو گے قوم کو اس علم کی ضرورت ہوگی۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بچوں کو فرمایا کرتے: آؤ آج علم سیکھ لو۔ عنقریب تم قوم کے بڑے لوگوں میں شمار ہونے والے ہو۔ میں جب چھوٹا تھا تو مجھے کوئی خاطر میں نہ لاتا تھا لیکن بچپن کی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ بڑا ہُوا تو

ایک ہجوم میرا احترام کرنے کو دوڑتا ہے اور فتویٰ حاصل کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر شرمناک بات کیا ہو سکتی ہے کہ کسی آدمی سے دین کی بات پوچھی جائے تو وہ بغلیں جھانکنے لگے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت میں کم سن تھا۔ میں نے اپنے ایک انصاری دوست کو کہا، چلو ان لا تعداد صحابہ سے جواب موجود ہیں، علم سیکھ لیں جو کام آئے گا۔ انصاری لڑکا کہنے لگا: اتنے جلیل القدر صحابہ کے ہوتے ہوئے ہم کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ چلا گیا لیکن میں تحصیل علم کے لیے نکل پڑا۔ بعض اوقات مجھے معلوم ہوتا کہ فلاں صحابی کے پاس ایک حدیث ہے۔ میں دوپہر کو اس کے گھر جاتا وہ قیلولہ (دوپہر کو سونا) فرما رہے ہوتے میں دروازے کے سامنے گرم پتھر پہ سر رکھے گرم ہوا میں پڑا انتظار کرتا رہتا۔ جب وہ صحابی باہر آتا مجھے سراپا انتظار پا کر بڑا متاثر ہوتا اور کہتا؛ "رسول اللہ کے ابن عم! آپ کیا چاہتے ہیں؟" میں کہتا: سنا ہے آپ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔ وہ فرماتے: یہ تکلیف کیوں کی؟ کسی کو بھیج دیتے یا میں خود حاضر ہو جاتا۔ میں عرض کرتا: اس کام کے لیے مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ ایک زمانہ آیا جب صحابہ رسولؐ رحلت فرما گئے لوگ میرے علم سے فائدہ اٹھانے کے لیے جمع ہو جاتے تو میرا دوست انصاری نہایت حسرت سے کہتا: ابن عباس! تمہارا اندازہ واقعی درست تھا۔ مکحولؒ نے فرمایا کہ بوڑھے آدمی کو نوجوان سے علم حاصل کرتے شرمانا نہیں چاہیے۔

علماءِ اسلام نے اس جذبۂ تحصیلِ علم کی اہمیت کو تاریخ کے نقوش میں نمایاں کیا ہے۔ وہ زمانہ کی ہر سختی سے گزرتے گئے مگر تحصیل علم کے شوق کی تسکین نہ ہو سکی۔ حوصلہ فرسا حوادث ان کے بلند عزائم کو پست نہ کر سکے۔ علماء اسلام کے حالات پر سلک الدرر بڑی جامع کتاب ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے علماء طلبِ علم میں ربع مسکون کو سر کرتے رہے۔ یہ جذبہ انہیں ابتدائی دور اسلام کے ان عاشقانِ رسولؐ سے ورثے میں ملا تھا۔ جو مدینہ کی گلیوں میں قرآن و حدیث کے معارف جمع کرنے میں ساری ساری راتیں جاگ کر گزار دیتے تھے علی ابن الحسن فرماتے ہیں کہ ایک شب نماز کے بعد مسجد سے نکلا تو دروازے پر حضرت عبداللہ بن المبارک نے ایک حدیث کا ذکر چھیڑا تو اسی طرح مسجد کے دروازے پر کھڑے کھڑے صبح کی

اذان ہو گئی۔ ابو عبید بن سلام نے ایک بار اپنے تلامذہ کو بتایا کہ میں نے چالیس برس اپنی کتاب غریب الحدیث کی تصنیف میں صرف کیے۔ اسی دوران علماء محدثین سے جو چیزیں ملتیں جمع کرتا جاتا۔ بعض اوقات ایک حدیث کی دریافت سے مجھے اتنی مسرت ہوتی کہ ساری ساری رات فرطِ محبت سے جاگتا رہتا۔ امام شافعی کے شاگرد مزنی نے پچاس برس تک کتاب الرسالہ کا مطالعہ کیا۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ ہر بار پڑھا اور نئے نئے فوائد حاصل ہوئے۔ حکیم ارسطو کی کتاب النفس کا ایک نسخہ حکیم ابو نصر فارابی نے سو مرتبہ پڑھا۔ امام طالب علمی میں جب میں نے شیخ الرئیس کی کتاب مابعد الطبیعیات کا مطالعہ شروع کیا تو مطلقاً میری سمجھ میں نہ آتی تھی۔ عبارت از بر ہو گئی لیکن مطالب نہ کھلے، ذوق فرو نہ ہوا۔ اتفاقاً عصر کے وقت ایک قدیم کتب فروش کے پاس گیا تو وہاں ایک شخص کتاب مابعد الطبیعیہ کی ایک شرح فروخت کر رہا تھا۔ مجھے ترغیب دی کہ میں خرید لوں۔ چونکہ میں ایک عرصہ اس کتاب پر سر مار چکا تھا اس لیے میں نے انکار کر دیا۔ اس نے منت کی میں نے تین درہم میں نہایت ارزاں خرید لی، کھولی، یہ ابو نصر فارابی کے حواشی تھے۔ گھر پہنچا، مطالعہ کیا تو سارے مطالب ذہن نشین ہو گئے اور مشکلیں آسان ہو گئیں۔

طلب صادق اور تحصیل علم کی ہزاروں مثالیں ہماری کتابوں کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ یہ طلباءِ علم کس انہماک اور جاں سوزی سے تحصیل علم کے لیے صحرا الصحرا اور دربدر کی ٹھوکریں کھاتے تھے اور دانہ دانہ جمع کر کے خرمنِ علم و فضل کے مالک بنتے تھے۔ امام رازیؒ فرمایا کرتے تھے، کاش! میری زندگی میں کھانا کھانے کے اوقات بھی تحصیلِ علم کے لیے وقف ہوتے۔ وہ فرمایا کرتے تھے؛

واللہ انی اتاسف فی الفوات عن اشتغال بالعلم فی وقت الاکل فان الوقت والزمان عزیز۔"

در بزم وصال تو بہ ہنگام تماشا
نظارہ ز جنبیدن مژگاں گلہ دارد

حضرت یحییٰ ناقل مؤطا مدینہ منورہ میں ایک روز امام مالکؒ کے درس میں حاضر تھے کہ شور برپا ہوا کہ ہاتھی آیا (غالباً اسلامی فاتحین نے پہلی بار مدینہ کی گلیوں میں ہاتھی کو شرفِ باریابی بخشا تھا) عربوں کے لیے یہ عجوبۂ روزگار تھا۔ سارے طالب علم درس چھوڑ کر بازار میں چلے گئے

صرف یحییٰ بیٹھے رہے۔ امام مالک نے فرمایا: تمہارے اندلس میں ہاتھی نہیں ہوتا تم بھی دیکھ آؤ۔
آپ نے عرض کیا: میں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا علم سیکھنے آیا ہوں۔

بہ پست دیدۂ مجنوں ز خویش و بیگانہ
چہ آشنا نگہے بود چشمِ لیلیٰ را

یہ تھا وہ ذوقِ علم جس نے ہمارے اسلاف کو اوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے تجسس علمی اور ذوقِ مطالعہ کا اندازہ ان کے خود گفتہ حالات سے لگائیے:
"بچپن ہی سے مجھے معلوم نہیں کہ کھیل کود کیا ہوتا ہے اور خواب و راحت کس چیز کا نام ہے۔

شبِ خواب چہ و سکون کدام است
خود خواب بعاشقاں حرام است

شوقِ علم و عمل میں کبھی وقت پر کھانا نہ کھایا اور کبھی سیر ہو کر نہ سویا۔ موسم سرما کی یخ بستہ ہوائیں اور گرما کی تیز دھوپ تحصیلِ علم میں حائل نہ ہوئیں۔ بعض اوقات پڑھتے پڑھتے رات آدھی سے زیادہ ڈھل جاتی تو والد کی آواز آتی: بیٹا! کیا کر رہے ہو؟ میں لیٹ کر جواب دیتا: سونے لگا ہوں۔ پھر اٹھ کر پڑھنے لگتا۔ بسا اوقات چراغ کی لَو سے میری پگڑی اور پیشانی کے بال جل جاتے مجھے اس وقت پتہ چلتا جب گرمی میرے دماغ کو محسوس ہوتی۔

چہ دود ہائے چراغ کہ در دماغ نہ رفت — کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نہ رفت
کدام خواب، چہ آسایش و کجا آرام — چہ خار خارہ کہ در بستر فراغ نہ رفت
بحمد تم ز دلِ خود کہ عمر رفت و لے — ز کنج غمکدہ ہرگز بصحن باغ نہ رفت

ان بزرگوں نے تحصیلِ علم کو زمانۂ طالب علمی تک ہی محدود نہیں رکھا، اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور مہد سے لحد تک ذوقِ علم کی تکمیل میں رہے۔ حضرت جابرؓ نے حضورؐ کی ایک حدیث روایت کی کہ تحصیلِ علم میں جو شخص مر جاتا ہے انبیاء کا صرف ایک درجہ نبوت اس سے بلند ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ "دو حریص ایسے ہیں جن کا پیمانۂ تحصیل کبھی پُر نہیں ہوتا۔ ایک دنیادار اور دوسرا علم کا طالب"۔ حضورؐ نے فرمایا: طالب علم طلبِ علم میں

جان دیتا ہے تو شہید ہوگا"۔
عبداللہ بن مبارک سے لوگوں نے پوچھا: آپ کب تک پڑھتے رہیں گے؟ فرمایا: موت تک۔ سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا کہ علم کی سب سے زیادہ کسے ضرورت ہے؟ فرمایا: جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ ابن ابی غسان فرمایا کرتے تھے انسان اس وقت تک عالم ہے جب تک طالب علم ہے۔ طالب علمی کو خیرباد کہنے والا جہالت کو دعوت دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں تحصیل علم کے لیے کئی گرم دوپہریں انصاری صحابہ کے دروازے کے سامنے پڑا رہتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو اس بات کا احساس تھا کہ وہ بہت روایتیں کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے مہاجر بھائی خرید و فروخت میں مشغول رہتے۔ انصار کھیتی باڑی سے فرصت نہ پاتے۔ میں اپنا پیٹ پالنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا۔ وہ ارشادات میری جھولی میں آتے جس سے دوسرے محروم تھے۔ سحنونؒ کا قول کتنا گرانقدر ہے "علم اسے راس نہیں آتا جو پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے"۔
امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: "طلبِ علم کے لیے تنگ دستی، خاکساری اور احترام بڑا ضروری ہے"۔
حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے: "علم حاصل کرو اور علم سے گفتگو کرو تاکہ لوگوں میں اپنا مقام متعین کر سکو"۔

اشاعت علم

مسلمانوں نے جہاں تحصیلِ علم کے لیے دشت و صحرا چھان مارے تھے۔ وہ اشاعتِ علم میں بخیل نہ تھے۔ اپنے بیگانے، گورے کالے، مقیم و مسافر یکساں ان کے خزانے سے علم کے موتی اٹھاتے اور مختلف ممالک کو لے جاتے، حتیٰ کہ اسلامی ممالک کی وسعت کے ساتھ علماء اسلام نے خود دور دراز کے سفر اختیار کیے اور لوگوں میں علم کا نور برسایا۔
حضور علیہ السلام کی حدیث حضرت زید بن حارث کی زبانی سُنیے "خدا اسے سُرخرو کرے جس نے ہم سے کوئی بات سنی، یاد رکھی، دوسروں کو پہنچائی"۔
حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منیٰ کا خطبہ دیتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا، دیکھو! جو حاضر ہیں غیر حاضروں کو سب پہنچا دیں۔ کیا عجب جنہیں پہنچاؤ گے وہ زیادہ سمجھدار ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا، خدا کی رحمت ہو اس شخص پر جو ایک دو فرض سیکھتا ہے، عمل کرتا ہے، ایسے لوگوں کو سکھاتا ہے جو اس پر عمل کریں۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے، میرے نزدیک اس سے زیادہ کوئی عبادت نہیں کہ علم کی اشاعت کی جائے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا، جو شخص علم حاصل کرتا ہے مگر اشاعت نہیں کرتا وہ ایسا ہی ہے جو خزانہ حاصل کر کے خرچ نہیں کرتا۔

حضرت امام مالکؒ شاگردوں کو الوداعی پیغام دیا کرتے تھے کہ خدا سے ڈرو۔ علم سکھاؤ، اس کی اشاعت کرو اور کسی سے کوئی مسئلہ نہ چھپاؤ۔ حسن بصریؒ علم کی اشاعت کو بہترین صدقہ قرار دیتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن علماؔ سے علم کی اشاعت کے بارے میں ایسا ہی سوال ہوگا جس طرح انبیاؑ سے تبلیغ رسالت کے متعلق ہوگا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا، لوگو! آؤ تمہیں میں بتاؤں کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے۔ سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہے۔ انسانوں میں مجھے سخی بنایا گیا ہے مگر میرے بعد سب سے زیادہ سخی وہ ہے جو علم دین سیکھ کر لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمان جاری کیا تھا کہ فقہاء اور علماء کو حکم دیا جائے کہ وہ اپنی مجالس، مساجد میں علم کی اشاعت کریں۔

یہ تھا وہ پروگرام جو مدینہ پاک کی درگاہ نے اپنے شاگردوں کے سامنے رکھا۔ اسی پروگرام پر چل کر علماءِ ربانی نے کائنات ارضی کے گوشہ گوشہ میں اشاعتِ علم کی۔ ایشیا، افریقہ، عرب و عجم کے شہروں کو علمی درسگاہوں سے معمور کر دیا اور لوگوں کے سینوں کو علم سے منور کرتے رہتے، اندلس کی اسلامی یونیورسٹیاں افریقہ اور یورپ میں علم پھیلاتی گئیں۔ مصر کی درس گاہیں مشرق وسطیٰ میں اشاعتِ علم کرتی رہیں۔ بغداد اور بخارا کے مدارس سارے ایشیا اور روس کو علمی دولتوں سے مالا مال کرتے رہتے۔

مشہور مورخ گبن نے مسلمانوں کی اشاعت علم و فضل کا بڑے عمدہ الفاظ میں اعترافِ کمال کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے علم کی اشاعت کا اتنا مربوط اور جامع انتظام کر رکھا تھا

کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ صوبوں کے خود مختار امراء بھی علم و ہنر کی سرپرستی سے دست کش نہ ہوتے۔ ان کی رقیبانہ مسابقت بسا اوقات اشاعتِ علم کے لیے بڑی مفید ثابت ہوتی۔ اگر ایک شہنشاہ اہلِ علم کو نوازتا تو دوسرا علمی درسگاہوں کی سرپرستی کر کے بازی لے جاتا۔ اس طرح ان لوگوں نے علم کے نور کو سمرقند و بخارا سے لے کر قرطبہ تک پھیلا دیا۔ ایک بادشاہ کے وزیر نے ایک لاکھ اشرفیاں اس لیے وقف کر دی تھیں کہ بغداد میں ایک دارالعلوم قائم کیا جائے جو سارے ایشیا کے لیے قابلِ رشک ہو۔ تعلیم کے فیضان سے عوام و خواص کو یکساں بہرہ اندوز ہونے کا موقعہ ملتا۔ ایک وزیر کا بیٹا ایک غریب کفش دوز (موچی) کے بیٹے کے پہلو میں بیٹھا علوم و فنون سے جھولی بھرتا۔ ایک ایک دارالعلوم میں چھ چھ ہزار طلباء بیک وقت پڑھتے۔ اساتذہ کو تنخواہیں اور نادار طلباء کو وظائف ملتے۔

فرانسیسی مورخ لیبان "تمدنِ عرب" میں لکھتے ہیں کہ یورپ کی یونیورسٹیاں چھ سو برس تک عربی کتابوں کے تراجم پر زندہ رہیں اور عربوں کے قائم کردہ مدارس سے علم و فضل سے بہرہ ور ہوتی رہیں۔ اس وقت کے اسلامی ممالک کے مدارس کا شمار حد حساب سے باہر ہے اور علم کی اشاعت کے ادارے ہر شہر اور قصبہ میں کام کر رہے تھے۔ یہ اسلام کی علمی اشاعت کے زندہ نشان تھے۔

نظامیہ نوریہ مستنصریہ نفیسیہ ستیہ اور صاحبیہ
رواحیہ عزویہ اور قاہریہ عزیزیہ زینفیہ اور ناصریہ
یہ کالج تھے مرکز سب آفاقیوں کے
حجازی و کردی و قبچاقیوں کے

حدائق بخشش کا اوّلین ایڈیشن

حضرت علامہ غلام جابر شمس مصباحی مدظلہ العالی
ڈائریکٹر ادارہ افکار حق، باکسی، پورنیہ، بہار (انڈیا)

عندلیب چمنستان حسان، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" کب مرتب ہوا؟ اور پہلی بار اس کی اشاعت کب ہوئی؟ اس تعلق سے علامہ شمس بریلوی مرحوم کراچی کا خیال ہے کہ دیوان رضا حیات رضا میں ترتیب و اشاعت کی منزلوں سے گذر کر منظر عام پر نہیں آسکا۔ وہ اپنے اس دعویٰ کی بنیاد اپنی یادداشتوں اور اپنے قیام بریلی (۱۹۳۲ء تا ۱۹۴۳ء) کی مجلسوں میں اس کا ذکر نہ ہونا قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی دھلی رقمطراز ہیں کہ دیوان مذکور کی اشاعت، صاحب دیوان فاضل بریلوی کی زندگی ہی میں ہو چکی تھی اور کم از کم دو بار ہوئی تھی۔ قیاسات وقرائن کے علاوہ شرر مصباحی کا دعویٰ ترتیب واشاعت اپنی پشت پر دو طاقتور شہادتیں بھی لئے ہوئے ہے۔ (۱) میرا یہ مضمون ماضی کے جھروکوں سے آپ کو یہ دکھائے گا کہ اس قضیہ کا حقیقی رخ کیا ہے؟ اسے جاننے کے لئے ذرا سی زحمت مطالعہ اٹھایئے۔

دین حنیف کے مجاہد جلیل، اپنے عصر کے ناقد بصیر، فکر رضا کے شہید ناز، شہر عظیم آباد کے رئیس اعظم، "مدرسہ حنفیہ" اور ماہنامہ "تحفہ حنفیہ" کے موسس، برکت الزماں، فخر الاقران، علامۃ الدھر قاضی عبدالوحید فردوسی علیل ہوئے۔ تو بریلی سے امام احمد رضا اور پیلی بھیت سے محدث سورتی عیادت کرنے پہنچے۔ ابھی یہ دونوں بزرگان ذیشان پٹنہ میں موجود ہی تھے کہ قاضی صاحب موصوف وفات پاگئے۔ امام احمد رضا نے نماز جنازہ پڑھائی اور محدث سورتی نے ان کے جسد خاکی کو قبر میں اتارا۔ یہیں اور اسی موسم سوگوار میں صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کی ملاقات پہلی بار امام احمد رضا سے ہوئی۔ اور وہ اپنے استاذ علامہ محدث سورتی کی ایماء پر رضا کے دامن خیر و برکت سے وابستہ ہوئے یعنی بیعت کا شرف حاصل کیا۔

(۲)۔ یہ ملاقات ۱۳۲۶ھ میں ہوئی تھی چونکہ رئیس پٹنہ محض ۳۵ رسال کی عمر پاکر اسی سنہ میں انتقال فرما ہوئے۔ (۳) جمادی الآخری ۱۳۲۹ھ کو صدر الشریعہ لکھنو اور پیلی بھیت ہوتے ہوئے بریلی حاضر ہوئے اور امام احمد رضا کی صحبت فیض میں دو ماہ رہ کر واپس ہو گئے۔ (۴) غالباً یہ دوسری ملاقات تھی اور پھر "چند ماہ کے بعد سیر و تفریح کے لئے صدر الشریعہ لکھنو تشریف لے گئے۔ امام احمد رضا نے انہیں خط لکھا۔ چنانچہ آپ لکھنو سے بریلی حاضر ہو گئے" (۵) اس بار صدر الشریعہ بحیثیت مدرس بریلی تشریف لائے تھے۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی لکھتے ہیں "بریلی شریف میں ۱۳۲۹ھ میں صدر الشریعہ کی آمد مدرسہ

اعلحضرت "منظر اسلام" میں تدریس ہی کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ بعد میں ان کی دوسری صلاحیتوں کو پرکھ کر امام احمد رضا نے انہیں "جماعت رضائے مصطفیٰ" کے شعبہ علیہ کی صدارت اور مطبع اہلسنت کا انتظام سونپ دیا تھا" (۶)

مولانا شہاب الدین کے لفظوں میں: "پیش کاری کے عہدہ پر اولاً (ملک العلماء) مولانا ظفر الدین بہاری منتخب ہوئے۔ مگر وہ شملہ کی جامع مسجد کے خطیب ہو کر شملہ چلے گئے۔ تو ان کی جگہ مولانا اعظمی (صدر الشریعہ) پیش کاری کے منصب پر فائز ہوئے" (۷) صدر الشریعہ اس مرتبہ بریلی میں کب تک رہے اس بات کو ذیل کی عبارت واضح کرتی ہے۔

"مدرسۃ الحدیث (پیلی بھیت) اور پٹنہ کے بعد ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء تا ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء تک (صدر الشریعہ) نے منظر اسلام میں تدریس کے فرائض انجام دیئے" (۸) ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین رضوی ۱۳۲۱ھ میں بغرض حصول تعلیم بریلی شریف حاضر ہوئے۔ (۹) شعبان ۱۳۲۵ھ میں وہ تاج فضیلت اور سند وشہادت سے نوازے گئے۔ (۱۰) ان کی تدریسی زندگی کا آغاز بھی منظر اسلام سے ہوا، جہاں ان کی تعلیم تکمیل ہوئی۔ (۱۱) ۱۳۲۹ھ تک ملک العلماء بریلی شریف ہی میں رہے اور اس سنہ کے اواخر میں معززین شملہ کے اصرار وطلب اور اعلحضرت کے حکم پر عالم وخطیب کی حیثیت سے وہ شملہ چلے گئے۔ (۱۲) تب صدر الشریعہ کے ذمہ کم وبیش وہ سارے کام کئے، جو ملک العلماء انجام دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ پیش کردہ ماخذوں اور آنے والے حوالوں سے سمجھا جاتا ہے۔

ملک العلماء اور صدر الشریعہ کے ذمے اپنے اپنے وقتوں میں تعلیم وتدریس، فتویٰ نویسی ونقل افتاء، طباعت واشاعت، تقریر ومناظرہ، تصنیف وتالیف اور امام احمد رضا کے مسودات ومخطوطات کی نقل وتبییض کا کام تھا۔ اور یہ سارے کام دونوں افاضل روزگار نے نہایت محنت ومحبت اور شعور وبصیرت کے ساتھ، امام احمد رضا کے معتمد کل اور مشیر خاص بن کر بخوبی انجام دیئے۔ دونوں فیض یافتوں کی زندگیاں علم واخلاص اور حرکت وبرکت سے عبارت تھیں۔ فکر رضا کے زلف ورخ سنوارنے میں دونوں عباقرہ عصر کی خدمات بے مثال ولازوال ہیں خدائے بزرگ وبرتر اپنی رحمتوں کی برکھا سدا برسائے ان کے خاکی شبستانوں پر۔

یہ قدرے طویل تمہید اس لئے اٹھانا پڑی، تاکہ "حدائق بخشش" کی اولین اشاعتوں کا پس منظر آئینہ ہو کر سامنے آجائے۔ شرر مصباحی جو دیوان رضا فاضل بریلوی کی حیات میں شائع ہونے کے قائل ہیں، نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صدر الشریعہ کے زیر اہتمام شائع شدہ نسخہ کو پیش کیا ہے اور اس کے سرورق کی یہ عبارت:

"از نتائج طبع سرآمد فصحاء وبلغاء استاذ الشعراء واقف رموز جلیہ وخفیہ کاشف غوامض علیہ حلال مشکلات علم وفن علامہ زمن مرجع العلماء تاج الکملاء محی الملۃ والدین امام الاسلام والمسلمین مولانا مولوی حاجی احمد رضا خان صاحب مدظلہ العالی"

پیش کر کے لفظ "مدظلہ العالی" سے نتیجہ اخذ کیا ہے اور فتاوی رضویہ جلد ۱۲ ص ۲۶۸ اور ص ۲۹۴ سے دو سوالات و جوابات نقل کیے ہیں جو دونوں کے دونوں مطبوعہ دیوان کے دو اشعار سے متعلق ہیں۔ ان تمام شہادتوں سے انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ "حدائق بخشش" حیات امام میں چھپ چکی تھی۔ مگر سنہ طباعت کی انہوں نے کوئی خاص تعیین نہیں کی ہے۔ شاید ان کے پیش نظر نسخہ میں طباعت کی تاریخ مذکور نہیں ہے ان شاء اللہ آنے والی سطور میں یہ مسئلہ دوپہر کے سورج کی دھوپ سے زیادہ روشن ہو جائے گا۔

بقول شرر مصباحی حیات امام میں دیوان امام دو بار چھپ چکا تھا۔ راقم آثم کی طرف سے ایک بار کا اور اضافہ کیا جاتا ہے۔ "حدائق بخشش" جس سے ۱۳۲۵ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ۱۳۲۵ھ میں کلام امام مرتب ہو چکا تھا۔ اور ۱۳۲۵ھ یا ۱۳۲۶ھ ہی میں اس کا پہلا حصہ پہلی بار شائع بھی ہوا تھا۔ پھر اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں نکلا اور یہ دوسرا ایڈیشن ملک العلماء کے خصوصی اہتمام و انصرام میں اشاعت پذیر ہوا۔ اور غالب گمان ہی نہیں یقین کامل ہے کہ پہلا ایڈیشن بھی انہیں کے نظم و نگرانی میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا۔ چونکہ ملک العلماء ہی ان دنوں امور طبع کے منتظم و منصرم تھے۔ اسکی وضاحت "حیات اعلیحضرت" میں مرقوم و مسطور ہے:۔

"خطوط پیٹی کی کنجی اعلیحضرت کے پاس ہوتی۔ عصر نماز پڑھ کر جب (امام احمد رضا) باہر تشریف رکھتے، تو کنجی مجھے عنایت فرماتے۔ پیٹی کھول کر اس روز کی ڈاک لا کر (میں) حاضر کر دیتا۔ (گوناگون خطوط گوناگون حضرات کے سپرد کر دیئے جاتے) استفتاء تعویذات اور مطبع سے متعلق خطوط بھی میرے حوالے کیے جاتے۔ (۱۳) ملخصا۔

۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں دیوان امام کا دوسرا ایڈیشن چھپا۔ جب "دبدبہ سکندری" رامپور کے مدیر محترم کی میز پہ پہنچا تو مدیر "دبدبہ سکندری" نے ایک تعارفی نوٹ لکھ کر اپنے پر بہار اخبار میں شائع کیا۔ انہوں نے واضح لفظوں میں لکھا کہ "یہ حصہ اول کی دوسری اشاعت ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک بار شائع ہوا ہے۔ اور طبع اول پر اسے بوجوہ ترجیح حاصل ہے۔ اعلیحضرت نے اسکی تصحیح فرما کر پاک و صاف کر دیا ہے۔ (ملک العلماء) مولوی ظفر الدین صاحب بریلی، محلہ سوداگران سے ۴ آنے قیمت علاوہ ڈاک محصول مل سکتی ہے" (۱۴)۔

تصانیف رضا کی فہرست اور ان کی کیفیت و نوعیت پر مشتمل، محرم ۱۳۲۷ھ میں ملک العلماء نے بعنوان "المجمل المعد دلتالیفات المجدد" ایک کتاب لکھی جو "مطبع حنفیہ" پٹنہ میں چھپی۔ یہی نسخہ راقم بے مایہ کے پیش نظر ہے۔ جس کے ص ۳۲ پر "حدائق بخشش" مطبوعہ کتب کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ (۱۵)

ان بیانات کے اجالوں میں یہ امر بالکل متحقق ہو جاتا ہے کہ امام احمد رضا کی حیات پاک میں

زیر اہتمام ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین رضوی مجموعہ کلام رضا دو مرتبہ مرتب و مطبوع ہو چکا تھا۔ جسے خود امام علام نے اپنا طبع شدہ کلام دیکھا اور تصحیح فرمائی۔ حضور صدر الشریعہ کے اہتمام میں چھپنے والا نسخہ تیسرا ایڈیشن ہے۔ جسکی تاریخ اشاعت شرر مصباحی کے شواہد کی روشنی میں ۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۱ھ کا درمیانی وقفہ متعین ہو گیا ہے۔

مگر یہ وقفہ ذرا طویل ترین ہے۔ اس کی طوالت گھٹانے سے اور گھٹ سکتی ہے۔ مثلاً جودھ پور، راجستھان سے جمادی الآخری ۱۳۳۲ھ میں امام احمد رضا کی جناب میں ایک سوال آیا۔ جس میں دیوان رضا کا حوالہ دے کر سوال کیا گیا ہے۔ (۱۶) یوں ہی یہ طوالت گھٹ کر اور قریب تر ہو جاتی ہے۔ جسے شعبان ۱۳۳۳ھ میں امام احمد رضا سے ایک استفتاء ہوا۔ سائل کو قصیدہ معراجیہ میں لفظ "دولہا" اور "دولہن" کے استعمال میں شرعی شبہہ واقع ہوا۔ جس کا جواب امام احمد رضا نے بڑا مدلل رقم فرمایا۔ (۱۷)

بحمدہ تعالیٰ تعیین تاریخ کی روشن ترین دلیل یہ ہے کہ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء کی اشاعت ہے۔ ہفت روزہ "دبدبہ سکندری" کی اس عبارت پر ذرا نظر ڈالئے۔

"حدائق بخشش:۔ دیوان نعت شریف تصنیف لطیف اعلیحضرت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ امام اہلسنت حضرت مولانا مولوی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خان صاحب حنفی سنی قادری برکاتی، تیسری بار بہ تصحیح حضرت علامہ مصنف چھپ کر شائع ہوا ہے۔ ہر ایک غزل دل کو تڑپا دینے والی، ہر شعر وجد میں لانے والا۔ قیمت ۴ر" (۱۸)

لیجئے اب "دبدبہ سکندری" کے فاضل مدیر مرحوم کا وہ پورا تعارفی نوٹ، جو سیکنڈ ایڈیشن کے متعلق ہے، اپنی آنکھوں سے پڑھ لیجئے۔ جس کو زائد نوے برسوں سے صفحات دبدبہ سکندری نے اپنی پلکوں پہ سرمہ بنا کر سجا رکھا ہے:۔

"حدائق بخشش" خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اعلیحضرت عظیم البرکت سرآمد فصحاء و بلغاء استاذ الشعراء مرجع العلماء تاج الکملاء محی الملت والدین امام الاسلام والمسلمین حضرت مولانا مولوی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی مدظلہ العالی کے پیارے اور دلچسپ کلام کا پہلا حصہ جس کا نام آپ اوپر ملاحظہ فرما رہے ہیں، مطبع اہلسنت و جماعت بریلی محلہ سوداگران سے چھپ کر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچا۔ جس کی ایک کاپی مجھے موصول ہوئی ہے۔ یہ حصہ اب دوسری مرتبہ شائع ہوا ہے۔ جسے حقیقتاً طبع اول پر بوجوہ ترجیح متعین ہے۔ اس مرتبہ جو خوبیاں رکھی گئی ہیں وہ محتاج بیان نہیں لیکن قابل ذکر امر یہ ہے کہ اکثر میلاد خواں حضرات نے اس میں اپنے طور پر تبدیل و تحریف کا کام فرمایا۔ مگر اعلیحضرت مدظلہم الاقدس نے اس کی تصحیح فرما کر پاک و صاف فرما دیا۔ ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس مقدس و متبرک نسخہ کی ایک ایک جلد اپنے پاس رکھیں۔ جو (ملک العلماء) مولوی ظفر الدین صاحب بریلی

محلہ سوداگران سے قیمت ۴ر۔ علاوہ ڈاک محصول مل سکتی ہے"۔(۱۹)

"دبدبہ سکندری" کے مذکورہ بالا تراشوں نے جہاں یہ واضح کر دیا کہ کلام الامام حیات الامام میں تین بار ترتیب واشاعت کے مرحلوں سے گذر چکا تھا۔ وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت کا کلام پڑھنا اور سمجھنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔ اور یہ امر بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ ۱۹۱۱ء میں جو نسخہ زیر اہتمام حضرت صدر الشریعہ چھپا۔ وہ بالیقین تیسری اشاعت ہے۔

اب ہم اپنے اس مضمون کو الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے سابق صدر شعبہ افتاء شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کرکے ختم کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب "تحقیقات" میں لکھتے ہیں:۔ "حدائق بخشش کے دو حصے ۱۳۲۵ھ میں اعلحضرت قدس سرہ کی حیات مبارکہ میں چھپے"۔(۲۰)

مراجع ومصادر

(۱) مقدمہ حدائق بخشش ڈاکٹر شمر مصباحی مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی۔
(۲) ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور صدر الشریعہ نمبر ص ۴۔
(۳) تذکرہ خلفائے اعلحضرت ص ۱۶۷ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء۔
(۴) صدر الشریعہ نمبر اشرفیہ مبارکپور ص ۷۵۔
(۵) صدر الشریعہ نمبر اشرفیہ مبارکپور ص ۷۶۔
(۶) صدر الشریعہ نمبر اشرفیہ مبارکپور ص ۲۸۰۔
(۷) صدر الشریعہ نمبر اشرفیہ مبارکپور ص ۲۶۹۔
(۸) صدر الشریعہ نمبر اشرفیہ مبارکپور ص ۲۶۴۔
(۹) حیات ملک العلماء ص ۱۲ مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ لاہور ۱۹۹۳ء۔
(۱۰) حیات ملک العلماء ص ۱۳ مطبوعہ ادارۂ معارف نعمانیہ لاہور ۱۹۹۳ء۔
(۱۱) حیات ملک العلماء ص ۱۴ مطبوعہ ادارۂ معارف نعمانیہ لاہور ۱۹۹۳ء۔
(۱۲) حیات ملک العلماء ص ۱۴ مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ لاہور ۱۹۹۳ء۔
(۱۳) حیات اعلحضرت جلد اول ص ۶۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی۔
(۱۴) ہفت روزہ دبدبہ سکندری رامپور یکم نومبر ۱۹۰۹ء شمارہ ۴۰ جلد نمبر ۴۵۔
(۱۵) الجمل المعد دلتالیفات المجدد ص ۳۲ مطبع حنفیہ پٹنہ۔
(۱۶) فتاوی رضویہ جلد ششم ص ۲۰۸ مطبوعہ بمبئی۔
(۱۷) فتاوی رضویہ جلد ششم ص ۱۹۸ تا ص ۲۰۲ مطبوعہ بمبئی۔

(۱۸) ہفت روزہ دبدبہ سکندری رامپور۔ ۱۱ جون ۱۹۱۱ء شمارہ ۲۵ جلد نمبر ۴۷۔
(۱۹) ہفت روزہ دبدبہ سکندری رامپور۔ یکم نومبر ۱۹۰۹ء شمارہ ۴۰ جلد نمبر ۴۷۔
(۲۰) تحقیقات ص ۱۰۰ مطبوعہ دائرۃ البرکات گھوسی مئو ۱۹۹۹ء۔
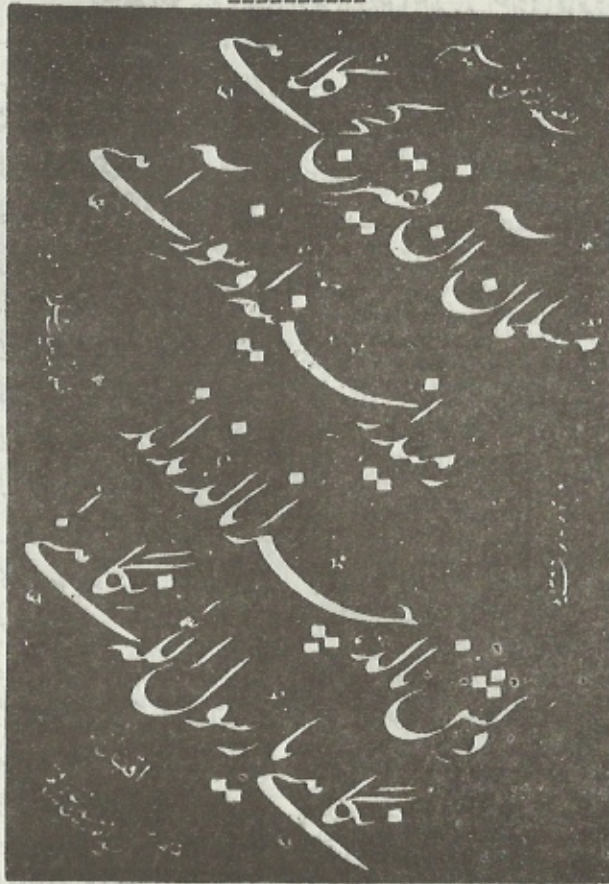
شیخ اعظم، شیخ اعظم کیوں؟

استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی رضاء الحق اشرفی دراج محلی (شیخ الحدیث جامع اشرف کچھوچھہ شریف)

آدمی اپنے عظیم کارناموں کی بنیاد پر بڑا ہوتا ہے، اگر یہ بات حقیقت پر مبنی ہے تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شیخ اعظم حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد اظہار اشرف اشرفی جیلانی مدعمرہ ودامت برکاتہ دور حاضر کے گروہ مشائخ میں "شیخ اعظم" ہیں۔

آپ حسنی سید ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب غوث اعظم جیلانی تک پہنچتا ہے، آپ غوث العالم مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین ہیں، قطب ربانی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے پڑپوتے، عالم ربانی علامہ سید احمد اشرف اشرفی جیلانی کے پوتے اور مخدوم المشائخ حضرت علامہ مفتی الحاج سید محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر اور جانشین ہیں ـــ ان اضافی عظمتوں کے علاوہ، جس چیز نے آپکو عظمت وبزرگی کا نمایاں مقام عطا کیا ہے وہ ہے آپ کی دینی وعلمی خدمات کا ایک طویل سلسلہ۔

آپ کی دینی وعلمی خدمات کا دائرہ نصف صدی کو محیط ہے۔ آپ کے دینی وعلمی کارناموں کو تفصیل کے ساتھ لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس مختصر مضمون میں آپ کی خدمات کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

سنیت کی تبلیغ واشاعت:

شیخ اعظم کے تبلیغی مشن کا مرکزی نقطہ سنیت کی اشاعت ہے۔ لوگوں کے اعمال کی اصلاح سے پہلے ان کے عقائد کی درستگی پر توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ عقیدہ عمل کی بنیاد ہے۔ عقیدہ فاسد ہو تو ظاہری حسن عمل کا شریعت کی نظر میں کچھ اعتبار نہیں۔ عقیدے کے فساد سے گمراہی آتی ہے جب کہ عمل خراب ہونے سے آدمی فاسق وفاجر ہوتا ہے۔ عقیدہ کے فساد حد کفر کو پہونچے تو بندہ ہمیشگی کے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے جب کہ عمل کے خراب ہونے سے آدمی فاسق وفاجر ہونے کے باوجود مومن رہنے کی وجہ سے اپنے گناہوں کا عذاب پانے کے بعد نجات پا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عقیدہ کی درستگی کو عمل کی درستگی پر بہر حال فوقیت حاصل ہے، گو کہ ایک سچے مسلمان کو نیک عمل سے کوئی مفر نہیں ـــ شیخ اعظم نے اسی نقطے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے تبلیغی مشن کو جاری رکھا ہے۔

چنانچہ ماضی قریب میں جب کہ ہندوستان میں بعض گمراہ و باطل فرقوں کی گمری بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانس رہی تھی صحیح العقیدہ مسلمانوں کے اندر بدعقیدگی پیدا کرنے کی پرزور کوششیں ہو رہی تھیں، ملک کے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں باطل اور گمراہ فرقوں کے بدعقیدہ پیر اور جبہ ودستار والے ان کے گمراہ گر علماء گھوم گھوم کر اپنے باطل عقائد کو بڑے ہی خفیہ انداز میں عام کر رہے تھے، ایسے ماحول میں شیخ اعظم نے اپنی تقریروں اور تبلیغی دوروں کے ذریعہ ان گمراہ مولویوں اور پیروں کے چہروں سے نقاب الٹ کر ان کے اصلی چہروں کو لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے اور ان کی گمراہیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔

صوبہ بہار کے مختلف اضلاع، خصوصا کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج اور ان کے مضافات میں آج جو کچھ سنیت کی چہل پہل نظر آرہی ہے اس میں شیخ اعظم کی کوششوں کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ ان جگہوں میں منت اللہ رحمانی کا دور دورہ تھا۔ دیو

بندیت ہر طرف چھاتی چلی جارہی تھی لیکن شیخ اعظم نے ان کا ہر طرف سے تعاقب کر کے انہیں وہاں سے بوریا بستر سمیٹنے پر مجبور کر دیا۔ اس راہ میں آپ نے بڑی پریشانیاں جھیلی ہیں۔ کبھی کبھی آپ کو اپنی جان کا خطرہ بھی لاحق ہوا ہے لیکن اپنی تبلیغی مشن کو ثابت قدمی کے ساتھ جاری رکھا ہے۔

ایک بار پورنیہ کے تبلیغی سفر میں کچھ دیوبندیوں نے آپ کو دھوکہ دے کر جلسے کے نام پر دعوت دی جب آپ اس گاؤں میں پہونچے جہاں جلسہ ہونا تھا تو پتہ چلا کہ وہ دیوبندیوں کا گاؤں تھا۔ آس پاس میں سنیوں کی آبادی نہیں تھی۔ آپ کے ہمراہ حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ جب دونوں حضرات نے جلسہ گاہ کا منظر دیکھا تو بڑی وحشت ہوئی۔ دونوں حضرات کے لئے قیام کا غیر معقول بلکہ تکلیف دہ انتظام کیا گیا تھا، جس سے جلسے والوں کی بدنیتی واضح ہو رہی تھی۔ جلسہ شروع ہونے سے پہلے منتظمین جلسہ نے دونوں حضرات کے سامنے یہ شرط رکھی کی جلسے میں کوئی اختلافی تقریر نہ کی جائے۔ حضرت نظامی صاحب علیہ الرحمہ تو یہ شرط سنتے ہی جلال میں آگئے۔ فرمانے لگے: "ہم ڈاکٹر ہیں، علاج کے معاملے میں ڈاکٹر مریض کا پابند نہیں ہوتا۔ یہ بات ہم طے کریں گے کہ مریض دوا سے ٹھیک ہوگا یا اس کا آپریشن کرنا پڑیگا۔"

حضرت شیخ اعظم نے حضرت نظامی صاحب سے کہا "مولانا صاحب! آپ اطمینان کے ساتھ تشریف رکھیں، پہلے مریض کا علاج مجھے کرنے دیجئے اگر میرا علاج کارگر ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ فائل ڈویژن آپ کا ہوگا۔" یہ کہہ کر آپ اسٹیج پر تشریف لے گئے۔ اپنے حسن تدبر کو کام میں لاتے ہوئے سب سے پہلے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "جلسہ کے منتظمین نے یہ شرط رکھی ہے کہ ایسی تقریر کی جائے جس سے کسی کو اختلاف نہ ہو۔ میں سوچتا ہوں کہ تقریر کرنے سے پہلے آپ لوگوں سے کچھ سوالات کرلوں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ کو کس چیز سے اختلاف ہے؟ جس چیز سے اختلاف ہوگا میں اس کو اپنی تقریر کا عنوان نہیں بناؤں گا۔ میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ سب لوگ مسلمان ہیں یا نہیں؟ کیا کسی کو اپنے مسلمان ہونے سے اختلاف ہے؟ پورے مجمع نے اثبات میں ہاتھ اٹھایا۔ پھر آپ نے پوچھا: "میں آپ لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کوئی مسلمان اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے بڑے بھائی جیسا کہہ سکتا ہے؟ مجمع سے آواز آئی "ہرگز نہیں"۔ آپ نے پھر پوچھا "بتاؤ رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا مسلمان ہے؟ مجمع سے آواز آئی، "مسلمان نہیں، مسلمان نہیں۔" اس کے مسلمان نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے؟ آپ نے پوچھا۔ جواب ملا "کسی کو اختلاف نہیں۔"

شیخ اعظم نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: "اگر میں آپ سے کہوں کہ ایک آدمی ایسا بھی ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، پھر بھی یہ کہتا ہے کہ اللہ کے نبی مر کر مٹی میں مل گئے، نبی کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں، نبی گاؤں کے چودھری کی طرح ہیں، نماز میں نبی کا خیال لانا بیل، گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے، شیطان کا وسیع علم تو قرآن وحدیث سے ثابت ہے لیکن نبی کے لئے وسیع علم ثابت کرنا شرک ہے، نبی کا علم بچوں، پاگلوں اور چوپایوں کے علم کی طرح ہے۔ بولو! ایسا کہنے والے کو مسلمان کہوگے؟ مجمع کی طرف سے شور اٹھا، "ہرگز نہیں، ہرگز نہیں" آپ نے پوچھا: "مجمع میں کسی آدمی کو اس سے اختلاف ہو تو وہ کھڑا ہو جائے۔" مجمع میں سکوت کا ماحول طاری ہوگیا۔ شیخ اعظم دیر تک استفسار کے انداز میں دیوبندیوں اور وہابیوں کی بدعقیدگی کو مجمع کے سامنے بیان کرتے رہے۔ اس طرح آپ نے دیوبندیوں، وہابیوں کی رد میں پوری تقریر فرمادی اور کسی کو یہ اعتراض کرنے کا موقع بھی نہیں دیا کہ آپ منتظمین جلسہ کی شرط کے خلاف تقریر فرما رہے ہیں۔ آپ کی اس حکیمانہ انداز تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ اس آبادی کے بہت سے لوگ جو دیوبندیوں کی بدعقیدگی کے جال میں پھنسے

جارہے تھے وہ اب آپ کے معتقد اور سنی صحیح العقیدہ ہوگئے اور بہت سے آپ کے ہاتھ پر مرید بھی ہوئے۔

بیل گاڑی اور پیدل دیہاتوں کا سفر کرکے، گاؤں گاؤں جاکر آپ نے دین وسنیت کی جو خدمات انجام دی ہیں ان کے بے شمار شواہد ملک کے مختلف حصوں میں خصوصاً صوبہ بہار کے مختلف اضلاع مثلاً کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج ومضافات میں آج بھی موجود ہیں۔ ان علاقوں کے بیشتر سنی مدارس کے قیام میں سب سے اہم اور بنیادی رول آپ ہی کا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں آج سنیوں کی اکثریت ہے اور وہاں پر کثیر تعداد میں سنی علماء پائے جاتے ہیں، جن کے ذریعہ سنیت کو مزید فروغ حاصل ہورہا ہے۔

بیرون ہند دوسرے ممالک میں بھی آپ نے دین وسنیت کی خدمات انجام دی ہیں خصوصاً بنگلہ دیش ڈھاکہ اور اس کے مضافات میں آپ کی دینی خدمات کے شواہد موجود ہیں۔ استوگرام، برہمن بڑیا وغیرہ مقامات میں بہت سے بدمذہب دیوبندی حتی کہ تبلیغی جماعت کے بعض مبلغوں نے بھی آپ کے نصیحتوں سے متاثر ہوکر اپنی بدعقیدگی سے توبہ کی ہے اور جماعت اہلسنت میں داخل ہوئے ہیں ــــ وہاں کے باشندے اس بات کے گواہ ہیں۔

عقیدہ کے معاملے میں تصلب اچھی چیز ہے لیکن مبلغین کے لئے تبلیغ کے معاملے میں تشدد برا اور حکمت تبلیغ کے منافی ہے۔ شیخ اعظم تبلیغ کے معاملے میں اس حکمت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے حکیمانہ انداز تبلیغ کی وجہ سے بہت سے مذبذب اور بد عقیدہ لوگ آپ کے قریب آتے ہیں اور آپ کے وعظ وتبلیغ سے بہتوں کو ہدایت کی توفیق بھی مل جاتی ہے۔

ایک مرتبہ بنگلہ دیش کی سفر میں ایک مقام پر آپ کے پاس ایک آدمی آیا جو عقیدے کے معاملے میں کچھ تذبذب کا شکار تھا اور کچھ سنیوں اور دیوبندیوں کی غیر ذمہ دارانہ باتوں کی وجہ سے وہ دونوں گروہ سے متنفر تھا۔ وہ شخص شیخ اعظم کے پاس ایسے دو آدمیوں کے ساتھ حاضر ہوا تھا جن میں سے ایک سنی اور دوسرا دیوبندی تھا اور دونوں میں اکثر جھڑپ ہوتی رہتی تھی اور یہ شخص عموماً دونوں کی مجلسوں میں حاضر رہتا تھا اور دونوں کی باتیں غور سے سنتا تھا۔ شخص مذکور نے اپنے دونوں صاحبوں کے بارے میں شیخ اعظم سے کہا کہ "دیکھئے میرے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ میں مذبذب ہوں۔ یہ دونوں حضرات آپ کے سامنے ہیں، ان میں سے ایک اپنے آپ کو سنی کہتے ہیں اور دوسرے خود کو دیوبندی کہتے ہیں۔ سنی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ ہم میلاد کی محفل اس لئے سجاتے ہیں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ ضرور تشریف لاتے ہیں جب کہ دوسرے صاحب یہ کہتے ہیں کہ میلاد کی محفل میں آپ ﷺ تشریف نہیں لاتے۔ اس بات پر دونوں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں اور اس قسم کی باتوں پر دونوں صاحبان کی اکثر تکرار ہوتی رہتی ہے۔ اب آپ ہی سمجھا دیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ شیخ اعظم نے جواب دیا "میرے خیال سے دونوں ہی بے ادبی کی بات کررہے ہیں۔"

یہ جواب سن کر دونوں صاحبان سکتے میں آگئے اور شخص مذکور (جسے لوگ مذبذب کہتے تھے) اندر ہی اندر خوش ہوا کہ شاید "پیر صاحب" بھی اسی کے ہم خیال ہوں گے۔ شیخ اعظم نے تینوں کے چہروں کا تاثر دیکھا اور ارشاد فرمایا: "آپ لوگ یہ سوچتے ہوں کہ دونوں کی بات کس طرح بے ادبی کی بات ہوسکتی ہے؟ تو سنئے! ایک عاشق کا کام بس اپنے محبوب کے ذکر کی محفل سجانا ہے، محبوب جلوہ آرائی فرمائیں یا نہ فرمائیں یہ تو ان کی مرضی کی بات ہے۔ ہم عاشقان مصطفےٰ کا کام اپنے آقا کی یاد میں محفل سجانا ہے اور اپنے آقا کا ذکر سننا اور سنانا اور بس۔ آقا اگر اپنے غلاموں کی محبت کو قبول فرماکر ہماری محفل کو اپنے وجود مسعود سے پرنور بنائیں تو یہ آپ کا کرم ہے۔ ورنہ ہماری محفل اس قابل کہاں ہے کہ آقا کی نظر

کرم اس طرف اٹھے؟ پھر بھی یہ شرط لگاکر محفل میلاد منعقد کرنا کہ رسول ہماری محفل میں ضرور تشریف لائیں گے اسلئے ہم محفل میلاد سجائیں گے، بارگاہ عشق کی یہ بے ادبی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کے برخلاف یہ کہنا کہ رسول محفل میلاد میں تشریف نہیں لائیں گے اس لئے ہم میلاد کی محفل نہیں سجائیں گے یہ بات بھی رسول کا کوئی باادب عاشق نہیں بول سکتا۔"

شخص مذکورہ آپ کی اس گفتگو سے اتنا متاثر ہوا کہ آپ کا معتقد ہوگیا اور کہنے لگا "اگر سنی لوگ اس انداز سے لوگوں کو سمجھائے تو کوئی بھی عقیدہ کے معاملے میں تذبذب کا شکار کیوں ہوتا؟ اس کے بعد وہ شخص پکا سنی ہوگیا۔

ایک بار پورنیہ کے ایک سفر میں ایک گاؤں میں ایک ایسے شخص کے گھر آپ کا قیام ہوا جو لوگوں میں دیوبندی مشہور تھا اور وہ پورے محلے سے کٹا ہوا تھا۔ اس شخص کے گھر آپ کے قیام فرمانے سے سنی عوام میں اضطراب کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے، لیکن کسی کو آپ سے کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ جس شخص کے گھر میں شیخ اعظم نے قیام فرمایا ہے وہ لوگوں میں دیوبندی مشہور ہے اور یہ بات شیخ اعظم کے علم میں بھی ہے۔ آپ کے قیام کے دوران گھر والے نے آپ کے شب وروز کے معمولات دیکھے، آپ کی مجلسی گفتگو کو بار بار سنا، جس کا اثر یہ ہوا کہ دوسرے دن گھر والا اپنے اہل وعیال کی ساتھ آپ کے ہاتھ پر مرید ہوگیا اور پھر رفتہ رفتہ اس نے دیوبندیوں سے اپنے رابطے ختم کرلئے۔ آج اس شخص کا پورا گھر سنی ہے۔ یہ بات جب حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کو معلوم ہوئی (یہ حضرت بھی ان جگہوں میں اکثر تبلیغی سفر میں شیخ اعظم کے ساتھ رہا کرتے تھے) تو انھوں نے شیخ اعظم سے فرمایا "میاں! آپ نے بڑا اچھا کام کیا! جس شخص کے گھر آپ نے قیام کیا تھا وہ اپنے علاقے میں دیوبندی مشہور تھا، الحمد للہ آپ کے ذریعہ اس کو اور اس کے گھر والوں کو ہدایت مل گئی اور سب سنی صحیح العقیدہ ہوگئے۔"

علامہ نظامی صاحب علیہ الرحمہ کی اس بات پر شیخ اعظم نے دور حاضر کے بعض سطحی ذہن رکھنے والے علماء پر تعریض کرتے ہوئے کہا: "گھر کا مالک اپنے گھر کے لوگوں کے ساتھ سنی بن گیا اور سب میرے ہاتھ پر مرید ہوگئے اس لئے شخص مذکور کے گھر میں میرا قیام اچھا تھا اور اگر وہ مرید نہ ہوئے ہوتے اور سنی نہ بنے ہوتے تو اس وقت اس کے گھر میں میرے قیام کے تعلق سے کیا فتویٰ ہوتا؟ شخص مذکور کے سنی نہ ہونے کی صورت میں اگر میرے مذکورہ عمل پر ناجائز ہونے کا فتویٰ لگ جاتا اور میں مفتیوں کے بقول شریعت کی نظر میں مجرم ٹھہرتا تو بتایئے اس طرح کا پُرخطر عمل اپنے سر میں کیوں لینے چلا؟ اور تبلیغ کے معاملے میں ایسا خطرہ مول لینے پر بھلا کون راضی ہوگا؟ تو پھر تبلیغ کا معاملہ عام کیسے ہوسکے گا؟ میرے خیال سے علماء کرام کو، حدیث شریف لاتجالسوھم ولاتواکلوھم (بدمذہبوں کے ساتھ نہ اٹھو بیٹھو اور نہ ان کے ساتھ کھاؤ پیو) پڑھتے وقت، اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ممانعت ان لوگوں کے حق میں ہے جو بدمذہبوں کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے سے اُن کے اثر کو قبول کرلیں گے جیسے عوام الناس۔ لیکن وہ لوگ جو اُن پر اپنا اثر ڈال دیں گے اور ان کی بدعقیدگی سے خود کو متاثر نہیں ہونے دیں گے ان کے لئے بدمذہبوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی ممانعت کا حکم نہیں، بلکہ انہیں چاہئے کہ ان کو اپنی صحبت میں آنے جانے کا موقع دے کر اپنے حسن تدبر سے ان کو صحیح راستے پر لانے کی کوشش کریں۔"

شیخ اعظم بدمذہب عالموں کے ساتھ اس قسم کی نرمی برتنے کے قائل نہیں۔ آپ ان سے میل جول اور دوستی کو روا نہیں سمجھتے۔ کیونکہ بدمذہب عالم اپنی بدعقیدگی پر اپنے گمان کے مطابق مضبوط دلیل بھی رکھتا ہے۔ لہذا اس کو اس کی بدعقیدگی سے نکالنا اسی وقت ممکن ہوگا جب کہ اس کی دلیل کو کاٹ کر اس کے خلاف مضبوط

دلیل پیش کر کے اس عالم کو بھی گمراہ کر دیا جائے۔ اور شخص پرستی کے اس دور میں کسی عالم کی دلیل کو کمزور ثابت کر کے اس کو اس کی دلیل سے بطلان کا قائل کر لینا تقریباً ناممکن ہے۔ اسی حقیقت کو شیخ اعظم بھی اس طرح بیان فرمایا ہے: "عام آدمی گمراہ ہو جائے تو اس کو راہ راست پر لانا کسی قدر آسان ہوتا ہے لیکن ایک عالم گمراہ ہو جائے تو اس کو سیدھے راستے پر لانا آسان نہیں۔"

شیخ اعظم نے اپنی تبلیغ کے ذریعہ بہت سے بدعقیدوں کو صحیح العقیدہ بنایا ہے اور دین وسنیت کی اشاعت کے لئے ملک و بیرون ملک میں دینی مدارس قائم فرمائے ہیں اور سنیوں کی بعض مسجدوں کو جو بدمذہبوں کے تسلط میں تھیں اپنی کوشش سے سنیوں کے ہاتھوں میں دیا ہے۔

علمی خدمات:

شیخ اعظم جامع مشائخ میں ایک صاحب علم اور علم دوست شیخ طریقت ہیں اور آپ کی یہ صفت مشائخ وقت کے مابین آپ کو امتیازی شان عطا کرتی ہے۔ ایک مبلغ اسلام ہونے کی حیثیت سے آپ کے نزدیک علم دین کو ترجیحی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ علم دین ہی، دین کی اساس ہے۔ شیخ اعظم کی علم دوستی کا ثبوت ان کے علمی کارناموں سے ظاہر ہے۔ آپ کی علم دوستی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ آپ کی مجلسوں میں علم اور علماء کا موضوع ہی عموماً غالب رہا کرتا ہے۔

ملک و بیرون ملک میں آپ کے قائم کردہ دینی مدارس، سنی مدارس کی سرپرستی اور ان کے نظام تعلیم وتربیت پر توجہ، نیز ان کے فروغ کے لئے آپ کا ہر ممکن تعاون، سنی علماء کو علوم اسلامیہ پر تحقیق و ریسرچ کی ترغیب دینا، انہیں اسلامی لٹریچرس کی تیاری پر ابھارنا اور ان کی تصنیفی کارناموں پر ان کی حوصلہ افزائی کرنا اور اپنے طور پر انہیں ممکنہ سہولیات فراہم کرنا، یہ سب شیخ اعظم کی علم دوستی کے زندہ مشاہد ہیں۔

حال و مستقبل کا مورخ جب بھی شیخ اعظم کے علمی کارناموں پر قلم اٹھائیگا تو ان کی علمی کارناموں کا باب ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامع اشرف اور مختار اشرف لائبریری کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوگا۔ طالبان علم شریعت کو علم شریعت کے ساتھ ساتھ علم طریقت کا مزاج دینے کے لئے شیخ اعظم نے خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکارکلاں کے احاطے میں ۱۹۷۸ء میں اپنے والد ماجد مخدوم المشائخ علامہ الحاج سید شاہ محمد مختار اشرف سجادہ نشین سرکار کلاں رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے دینی درسگاہ جامع اشرف کی بنیاد رکھی۔ اس کے قائم ہونے کے بعد اس میں تعلیم کی ابتدا دورۂ حدیث سے ہوئی، پھر رفتہ رفتہ ابتدائی جماعت سے لے کر فاضل دوم (دورۂ حدیث) تک تعلیم کا مکمل انتظام ہو گیا اور اب یہ ادارہ ملک کی ممتاز درسگاہوں میں سے ایک ہے۔

یہاں درس نظامی کی مکمل تعلیم کے ساتھ شعبہ حفظ وقرآت اور شعبۂ تخصص فی الفقہ (مفتی کورس) بھی باضابطہ طور پر قائم ہیں۔ یہاں سے ہر سال علماء، حفاظ، قراء اور مفتیان کرام کی ایک ٹیم فارغ التحصیل ہو کر نکلتی ہے اور ملک کے مختلف حصوں میں پھیل کر دین کی خدمات انجام دیتی ہے۔ شیخ اعظم اس عظیم درسگاہ کے بانی و سرپرست ہیں، لیکن آپ نے اس میں اپنی حیثیت ایک روایتی بانی اور سرپرست کی نہیں رکھی ہے بلکہ اس کی تعمیر وترقی میں بڑی جاں گسل محنت کی ہے اور اب تک کر رہے ہیں۔ جامع اشرف کے لئے رات دن سفر کرنا اور سفر سے آکر آرام نہ کر کے خود مزدوروں کے ساتھ دھوپ میں کھڑے رہ کر اس کی تعمیر کروانا، آپ کی ان مشقتوں کے دیکھنے والے آج بھی گواہ ہیں۔ شیخ اعظم کبھی کبھی جامع اشرف سے اپنے قلبی لگاؤ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں "میں نے جامع اشرف کی پھولوں کی سیج پر بیٹھ کر نہیں بلکہ کانٹوں کی راہ پر چل کر تعمیر کی ہے۔"

شیخ اعظم کے بنائے ہوئے اس عظیم علمی چمن کا نظم ونسق اور اس کا اہتمام آپ کے فرزند اکبر اور جانشین برحق قائد ملت حضرت علامہ الحاج سید محمود اشرف اشرفی جیلانی کے مضبوط ہاتھوں میں ہے۔ آپ کے اہتمام میں جامع اشرف کا علمی کارواں آگے بڑھتا جا رہا ہے اور انشاءاللہ بڑھتا جائیگا۔

شیخ اعظم کا دوسرا زندہ جاوید علمی کارنامہ "مختار اشرف لائبریری" ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ طریقت، سجادہ نشین خانقاہ ان الفاظ کے ساتھ "لائبریری" کا لفظ موجودہ ماحول میں کسی کو بے جوڑ سا لگے، لیکن یہ سامنے کی حقیقت ہے، جس کا انکار کوئی اندھا شخص ہی کرے گا کہ شیخ اعظم نے اپنی خانقاہ میں "مختار اشرف لائبریری" قائم کر کے موجودہ خانقاہی روایتوں سے نکل کر "رسم شبیری" ادا کیا ہے۔ شیخ اعظم کا یہ عظیم علمی کارنامہ یقیناً صوفیائے کرام کے حقیقی مشن کی تجدید واحیاء کی کوشش ہے۔ اس وقت مختار اشرف لائبریری ہندوستان میں جماعت اہلسنت کی منفرد اسلامی لائبریری ہے، یہ میں کہوں تو شاید اسے بے جا مدح سرائی، یا لاف زنی تصور کی جائے اس لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ مختار اشرف لائبریری کی موجودہ صورت حال کو حقائق کے آئینے میں پیش کر دیا جائے تاکہ مشاہدہ کے بعد میرے دعویٰ کی حقانیت میں کوئی شبہ نہ رہ جائے۔

اس وقت مختار اشرف لائبریری میں اسلامیات اور مختلف علوم وفنون کی 15963 (پندرہ ہزار نوسو تریسٹھ) کتابیں موجود ہیں۔ کتابوں کی یہ تعداد، اخبارات ورسائل اور قلمی نوادرات کے علاوہ ہے۔ جبکہ مخطوطات کی تعداد بھی سیکڑوں میں ہے اور رسائل واخبار ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ ذیل میں کتابوں کی موجودہ تعداد کی ایک فن واری فہرست پیش کی جاتی ہے۔

علوم قرآن۔ 338، علم حدیث 1168، تفسیر۔ 834، فقہ۔ 1364، مذاہب۔ 37، انسائیکلوپیڈیا۔ 96، انگریزی زبان میں مختلف فنون کی کتابیں۔ 531، فتاویٰ۔ 578، اصول حدیث واسماء الرجال۔ 265، اصول فقہ۔ 99، تاریخ۔ 1296، رد ومناظرہ۔ 833، عقائد وعلم کلام۔ 326، تذکرہ۔ 919، اخلاق وتصوف۔ 712، سیرت۔ 2240، مقالات وخطبات۔ 502، عربی ادب۔ 296، فارسی ادب۔ 134، دیوان۔ 833، نحو وصرف۔ 142، علم سائنس۔ 34، مذہب اور سائنس۔ 55، طب 194، مباحث۔ 71، ناول۔ 390، انساب۔ 56، اوراد ووظائف۔ 264، ملفوظات ومکتوبات۔ 243، اردو ادب۔ 221، قرأت۔ 52، لغات۔ 217، فہرست۔ 150، متفرق۔ 538، لائبریری کاپی۔ 668۔

لائبریری سے بلاتفریق کوئی بھی استفادہ کر سکتا ہے۔ ریسرچ اسکالروں کے لئے لائبریری میں زیراکس مشین بھی ہے۔ لائبریری کا نظام کیٹلاگ سسٹم کے مطابق بنایا گیا ہے۔ مزید کتابوں کی فراہمی کا سلسلہ جاری ہے۔ مستقبل میں کتابوں کے لئے جگہ کی تنگی نہ ہونے پائے، اس مقصد کے تحت لائبریری کی داہنی جانب ایک چار منزلہ عمارت تکمیل کے مرحلے میں ہے، اس میں لائبریری سے متعلق جدید سہولیات کے اسباب کا بھی انتظام ہوگا۔ شیخ اعظم مختار اشرف لائبریری کو اسلامیات کی سب سے عظیم لائبریری بنانے کا منصوبہ رکھتے ہیں، جس کے لئے اپنی علالت کے باوجود جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ (قارئین کرام دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ شیخ اعظم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے اور ان کے منصوبوں کو پورا فرمائے۔)

شیخ اعظم کے اوصاف:

نام ونمود اور پروپیگنڈوں سے دور رہ کر خاموشی کے ساتھ

دین وعلم دین کی خدمات انجام دینا شیخ اعظم کا وہ نمایاں وصف ہے جس نے انہیں عوام وخواص میں بہت زیادہ اعتبار واعتماد بخشا ہے۔ شیخ اعظم کی اب تک کی خدمات یہ بتاتی ہیں کہ وہ وہی بولتے ہیں جو کرتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ پہلے جو کرتے ہیں پھر بولتے ہیں۔ یعنی شیخ اعظم کے نزدیک کامیابی کا راز صرف اور صرف عمل میں مضمر ہے۔ شیخ اعظم خود جدوجہد کے عادی ہیں اور دوسروں کے اسی عمل کو پسند کرتے ہیں۔ شیخ اعظم کے نزدیک ہر مخالفت کا جواب ''کام'' ہے۔ چنانچہ تمام مخالفتوں سے بے پرواہ ہوکر صرف اپنی منصوبوں کی تکمیل پر شیخ اعظم کی توجہ مرکوز رہتی ہے۔

شیخ اعظم ایک بہترین مربی بھی ہیں۔ آپ کی تربیت کا انداز بڑا حکیمانہ اور موثر ہوتا ہے۔

تربیت کے مفہوم کو عربی زبان میں اس طرح ادا کیا گیا ہے۔ تبلیغ الشئی الی کمالہ علی التدریج (آہستہ آہستہ کسی کو کمال تک پہونچانے کا نام تربیت ہے۔) شیخ اعظم تربیت کے اس مفہوم سے خوب آشنا ہیں۔ چنانچہ اپنی توجہات وعنایات کے ذریعہ کسی کو درجۂ کمال تک پہونچانے کے لئے شیخ اعظم اس تدریجی اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ جس کی تربیت کرنی ہوتی ہے اس کے ''حال'' کے لئے ایسے رہنما خطوط وضع فرماتے ہیں جن پر چل کر وہ روشن مستقبل سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ شیخ اعظم تعمیری ذہن کے مالک ہیں اس لئے ''تعمیر'' کے خلاف کسی تخریبی ذہن یا عمل سے انہیں سخت نفرت ہوتی ہے۔ ان کا ایک اصول ہے ''جتنا بولو اس سے زیادہ کرو''۔ ''گرم دم گفتگو، نرم دم جستجو'' والے مقولے کو الفاظ بدل کر یوں کہا جائے ''نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو'' تو یہ بات شیخ اعظم کی ذات پر بالکل راست اترتی ہے۔

شیخ اعظم خود بھی جید عالم دین ہیں اور علم دوست بھی۔ اپنے اندر اپنے ذوق کا ہوا دردمند دل رکھتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ سے والہانہ محبت ہے۔ محبت کی آواز گاہے بگاہے کلام موزوں کے پیکر میں ڈھل گئی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے اشعار کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ ان اشعار کے مجموعے کا پہلا حصہ تین چار سال پہلے چھپ چکا ہے اور اب دوسرا حصہ چھپنے والا ہے۔ سردست میں ان اشعار پر کچھ تبصرہ کے بغیر قارئین کو، مشہور ادیب، شاعر ڈاکٹر سید امین اشرف (سابق لکچرر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ) کے تاثرات پڑھنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ڈاکٹر موصوف کے تاثرات کلام شیخ اعظم پر بھرپور روشنی ڈالتے ہیں۔

شیخ اعظم ان دنوں مثنوی مولانا روم کا منظوم اردو ترجمہ لکھنے میں مصروف ہیں۔ علالت کے باوجود بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اس پر کام کر رہے ہیں، کئی سو اشعار کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ یہ ترجمہ مثنوی مولانا روم پر کام کرنے کے لئے ایک نایاب ثابت ہوگا۔

شیخ اعظم ایک صاف دل اور صاف انسان ہیں، دل میں کوئی کینہ کپٹ نہیں رکھتے۔ وقتی ناراضگی کے بعد عفو ودرگزر کرنے میں امتیازی شان کے حامل ہیں۔ اکابر کی تعظیم چھوٹوں پر شفقت، مہمانوں کی ضیافت اور حسن اخلاق میں اپنے آباواجداد کے طریقے پر قائم ہیں۔ مختصر یہ کہ دین وسنیت کی اشاعت، علم دین کی نمایاں خدمت، علمی مراکز ومدارس کا قیام، جامع اشرف کی تعمیر وتوسیع، خانقاہ اشرفیہ کی توسیع، مسجد اعلیٰ حضرت اشرفی کی تعمیر، ملک کے مختلف حصوں میں مساجد ومدارس کا قیام اور دیگر دینی وعلمی خدمات نے آپ کو مشائخ وقت کے درمیان ''شیخ اعظم'' بنا دیا ہے۔

شیخ المشائخ حضرت
سید محمد اظہار اشرف الاشرفی

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں، اس کارگہ ہستی میں جس نے بھی قدم رکھا، ذائقۂ موت اس کا مقدر ٹھہرا--- قافلے بڑی سبک خرامی سے عالم آخرت کی طرف رواں دواں ہیں--- یوں تو روزانہ ہی ایسے حوادث غم پیش آتے رہتے ہیں مگر بعض اوقات کچھ ایسے لوگ بھی داغ مفارقت دے جاتے ہیں جو گوناگوں اوصاف کے حامل اور اپنی ذات میں انجمن ہوتے ہیں--- ایسی ہی مغتنم شخصیات اور قافلہ عشق ومحبت اور معرفت وطریقت کے حدی خوانوں میں شیخ المشائخ حضرت علامہ اظہار اشرف الاشرفی الجیلانی کا وجود باجود بھی تھا، جو ۲۲؍فروری ۲۰۱۲ء کو انڈیا میں وصال فرما گئے---

موصوف قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ شبیہ غوث الثقلین حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور پوتے مخدوم المشائخ حضرت پیر سید محمد مختار اشرف بن حضرت شاہ احمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور برصغیر کے ممتاز علمی وروحانی مرکز خانقاہ عالیہ اشرفیہ حسینیہ سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ کے سجادہ نشین اور جامعہ الاشرف کے بانی تھے---

حضرت سید اظہار میاں کی ولادت باسعادت ۶؍محرم الحرام ۱۳۵۵ھ کو کچھوچھہ شریف میں ہوئی--- ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے درس نظامی کی تکمیل کی--- ایک سال تک جامعہ نعیمیہ مرادآباد شریف میں تدریسی فرائض انجام دیے--- اپنے والد گرامی شیخ المشائخ حضرت سید مختار اشرف قدس سرہ العزیز کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور سلسلہ عالیہ اشرفیہ کے جملہ سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل کی--- موصوف خانوادہ اشرفیہ کی سب سے بڑی، ممتاز اور اہم شخصیت تھے--- ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء کو والد گرامی کے وصال کے بعد مسند سجادگی کو زینت بخشی اور پندرہ سال تک آپ نے اس مسند کی اعلیٰ روایات کو بحسن وخوبی سرانجام دیا--- آپ حسن صورت

حسن سیرت کے مرقع اور باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے---آپ جید عالم دین، بلند پایہ خطیب، بہترین ادیب، عظیم شیخ طریقت، اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل منتظم اور صاحب دیوان شاعر تھے---آپ کے مجموعہ کلام "اظہار عقیدت" سے نمونہ کلام پیش خدمت ہے:

تیری حمد کی نہیں انتہا تیری شان جل جلالہ
تیرا ذکر دافع ہر بلا تیری شان جل جلالہ
تو کریم ہے، تو خبیر ہے، تو رحیم ہے، تو قدیر ہے
تیری رحمتوں کا ہے آسرا تیری شان جل جلالہ
تو ہی رب ہے سارے جہان کا، تیری شان بندہ نواز ہے
تو ہی بخش دے میری ہر خطا، تیری شان جل جلالہ
جو تیرے رسول کا ہو گیا وہی بالیقین تجھے پا گیا
تیرا قرب اصل ہے مدعا تیری شان جل جلالہ

●●●

سارے نبیوں میں چمکتا ہے اجالا تیرا
مل گئی اس کو بلندی جو ہے منگتا تیرا

اس کی نظروں میں سمائے گا کہاں حسن چمن
جس نے دیکھا ہے یقیناً در والا تیرا

تیرا ہو کر اسے غیروں سے بھلا کیا مطلب
تیرے منگتے کو فقط چاہیے ٹکڑا تیرا

●●●

عشقِ نبی ہے دولتِ ایمان کی بہار
وہ دل مدینہ ہے کہ جو دل ان پہ ہے نثار

خالق نے یوں تو کتنے بنائے ہیں تاجور
لیکن کیا ہے آپ کو ہی سب کا تاجدار

سرکار ﷺ کے کرم سے جہاں تابناک ہے
صدقے میں ان کے ہو گئے ذرّے بھی باوقار

شمس و قمر کی روشنی یا ہو چمن کا حسن
تیرے کرم نے بخشا ہے ہر شے کو اک نکھار

رنج و الم نے توڑ دیا تھا سکون کو
ان کے کرم نے دے دیا اظہار کو قرار

●●●

محتاج کو سرکار ﷺ بلائیں تو عجب کیا
سوئی ہوئی تقدیر جگائیں تو عجب کیا

سچ ہے کہ گنہگار و خطاوار بہت ہوں
پھر بھی میرے سرکار نوازیں تو عجب کیا

کچھ حسن عمل پاس نہیں پھر بھی یقین ہے
بخشش کا جو مژدہ وہ سنائیں تو عجب کیا

مشتاق نگاہوں کی وہ تسکین کی خاطر
خود آ کے اگر جلوہ دکھائیں تو عجب کیا

جب گرمئ محشر سے کوئی بچ نہ سکے گا
وہ عاصیٔ امت کو بچائیں تو عجب کیا

منجدھار میں ہوں پھر بھی مری آس بندھی ہے
کشتی کو مری پار لگائیں تو عجب کیا

پلتا ہے زمانہ شہ والا کے کرم سے
اظہار کو بھی گر وہ نبھائیں تو عجب کیا

●●●

یادِ نبی کا لمحہ لمحہ عشق و محبت والا ہے
طوق غلامی جس کو ملا ہو پھر تو وہ عزت والا ہے

سارے زمانے کو ملتی ہے بھیک تمہاری چوکھٹ سے
ٹکڑوں پہ ہر پلنے والا عظمت والا ہے

عشق نبی کا خانۂ دل کو جس نے بنایا کاشانہ
بزم نشاط و کیف کا گلشن نور بصیرت والا ہے

شمس و قمر کا سارا اجالا ان کے قدم کی خاک کا صدقہ
حسنِ نوازش کا ہر پہلو رشد و ہدایت والا ہے

باغ و بہار صحن گلستاں غنچہ و گل کا حسن فروزاں
شان عطا کا ہر اک جلوہ کتنی رفعت والا ہے

ابر کرم کے ہر قطرے نے بخشا حیات کو یہ مژدہ
جس پہ ترا اظہار کرم ہو، اوج پہ قسمت والا ہے

●●●

سارے نبیوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
مظہر ذات مولیٰ ہمارا نبی

جن کے صدقے میں عالم کی تخلیق ہے
بزم ہستی کا دولہا ہمارا نبی ہے

ہیں شفیع امم، خاتم مرسلاں
ساری امت کا داتا ہمارا نبی

جن کی چوکھٹ پنہ گاہِ علم ہوئی
وہ ہے بے شک تمہارا ہمارا نبی

یوں تو نبیوں نے پائی بلندی مگر
ہر بلندی سے اونچا ہمارا نبی

چاند، سورج اشاروں پہ جن کے چلیں
ہے خدا کا وہ پیارا ہمارا نبی

سارے منگتوں نے پائی ہے دل کی مراد
دینے والا ہے اچھا ہمارا نبی

فیض سرکار ہے جو بھی اظہار ہے
ہر کسی کا سہارا ہمارا نبی

●●●

عشق سرکار مدینہ سے سجا رکھا ہے
دل کو پھر کعبہ دل اپنا بنا رکھا ہے

یوں تو نبیوں کو ملی دولت عرفان مگر
شان محبوب کو ان سب میں جدا رکھا ہے

سارے اعمال کی ہیں جان رسول عربی
یاد سرکار کو سینے سے لگا رکھا ہے

●●●

کرم فرمایئے ہم پر خدارا یارسول اللہ
تمہیں ہو ہم غریبوں کا سہارا یارسول اللہ

تیری چوکھٹ سے امید کرم کی آس قائم ہے
کہاں تک میں پھروں گا مارا مارا یارسول اللہ

ملے گی روشنی تاریک دل کو تیرے جلووں سے
جو ہو لطف و کرم کا اک اشارہ یارسول اللہ

●●●

یا نبی! آپ کا جس وقت اشارہ ہو گا
پھر یقیناً ہمیں طیبہ کا نظارا ہو گا

موت تو اس لیے لگتی ہے بھلی ہم کو بہت
بعد مرنے کے تو دیدار تمہارا ہو گا

ان کا کہلاتے ہوئے پھر بھی سہوں رنج والم
کب یہ سرکار مدینہ کو گوارا ہو گا

میں غلام ابن غلام ابن غلام ابن غلام
یہی نسبت میری بخشش کا سہارا ہو گا

ایک اظہار ہی کیا اس کی تلی ہے مشکل
جس نے سرکار مدینہ کو پکارا ہو گا

●●●

مولائے کائنات حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی منقبت یوں موزوں فرمائی:

ولیوں کے تاجدار ہیں، مشکل کشا علی
امت کے غم گسار ہیں مشکل کشا علی

آسان نام پاک سے ہوتی ہیں مشکلیں
ایسے وہ ذی وقار ہیں مشکل کشا علی

"مَنْ کُنْتُ مَوْلٰی" سید عالم کی ہے عطا
بے شک وہ شاہکار ہیں مشکل کشا علی

حب علی ہی اصل میں حب رسول ہے
رحمت کے رازدار ہیں مشکل کشا علی

بارگاہ غوثیت پناہ رضی اللہ عنہ میں یوں عرض گزار ہوتے ہیں:

غوث اعظم شاہ جیلاں چشم و چراغ مولیٰ علی
تجھ سے ہے روشن نور ولایت مظہر شان نور نبی
تیرے قدم کی برکت بے شک پھیلی ہوئی ہے عالم میں
آ جائے جو زیر قدم پھر قسمت کا ہو جائے دھنی
ورد میں رکھا ہے نام کو جس نے اس کے بگڑے کام بنے
جب سے بسی ہے دل میں محبت دور ہوئی ہے ساری کمی
جان مسیحا مرشد کامل فیض رساں ہے ذات تری
دامن پاک تمہارا پا کر بن ہی گئی تقدیر مری
بدر منیر چرخ ولایت اور ہو تم ولیوں کے امام
تیری نوازش اور عطا کی ساری ادائیں سب سے بھلی
اپنی حالت کیا میں بتاؤں کیسا ہے اظہار ترا
اب تو کرم سرکار ہو مجھ پر پورا کرو ارمان دلی

حضرت سید اظہار اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی تمام زندگی تبلیغ دین میں گزری --- انہوں نے ۱۹۷۸ء میں اپنے والد گرامی کی سرپرستی میں جامع الاشرف کے نام سے اسلامی یونی ورسٹی کی بنیاد رکھی، جس میں ایک عظیم الشان مختار اشرف لائبریری قائم کی --- اسی طرح اشرف میوزیم (جس میں خاندانی تبرکات ہیں)،

لاہور کی قدیم مساجد (۳)

☆...... پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

ہم نے سابقہ دو شماروں میں لاہور کی قدیم مساجد کا تذکرہ شائع کیا ہے، جسے قارئین "جہان رضا" نے بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ بعض قارئین نے اظہار مسرت کرتے ہوئے اس سلسلے کو جاری رکھنے کی درخواست کی، بعض نے لاہور کی قدیم مساجد کے علاوہ لاہور کی تمام بڑی بڑی مساجد کی تعمیر و تزئین پر لکھنے کو کہا۔ چند مقتدر علمائے کرام ہمارے پاس آئے اور اپنی معلومات کی روشنی میں ان مساجد کے متعلق بڑی دلچسپ معلومات مہیا کیں۔ بعض علمائے کرام نے ان مساجد کے ائمہ اور خطباء کے حالات پر روشنی ڈالنے پر زور دیا۔ ہم ان تمام قارئین کے ذوق کے پیش نظر کوشش کریں گے کہ مساجد کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچائی جائیں۔

عالمگیر کی بادشاہی مسجد:

بادشاہی مسجد لاہور کے قلعہ کے اکبری دروازہ کے سامنے مغرب کی طرف ایک بلند چبوترے پر بڑے پرشکوہ انداز میں کھڑی ہے۔ قلعہ اور مسجد کے درمیان حضوری باغ ہے۔ (اب رنجیت سنگھ کی بارہ دری بھی واقع ہے) اورنگ زیب شہنشاہ نے قلعہ سے شاہی مسجد تک اپنے ملازمین کے لئے مکانات بنائے ہوئے تھے۔ خود وہ شاہی مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تو اسی راستے سے جاتا تھا۔

اگرچہ شاہی مسجد کی تعمیر کی وجوہات کئی مؤرخین نے اپنے اپنے انداز میں بیان کی ہیں، مگر ہمیں ایک بزرگ نے ایک دلچسپ وجہ بیان کر کے خوش کر دیا، وہ فرماتے ہیں کہ جب اورنگ زیب بادشاہ پہلی بار لاہور آیا تو اس نے وزیر خان کی مسجد میں نماز پڑھی تو ایک مجذوب فقیر بلند آواز سے پکار اٹھا۔ لوگو دیکھو! "بادشاہ ہو کر وزیر کی مسجد

میں نماز پڑھ رہا ہے''۔ وزیر خاں کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا معیوب نہیں تھا مگر فقیر کی یہ بات اورنگ زیب شہنشاہ کے دل کو اچھی لگی' اس نے ارادہ کرلیا کہ اب لاہور میں راوی کے کنارہ پر میں بھی ایک ایسی مسجد تعمیر کراؤں گا' جو قیامت تک میرے لئے ذریعہ ثواب وخیر ہوگی۔

راوی کے کنارے پر مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا' جو زمین کی سطح سے بائیس سیڑھیاں بلند تھا۔ یہ مسجد اپنی شان وشوکت اور رفعت کے لحاظ سے بے مثال بنائی گئی۔ سنگ رخام اور سنگ مرمر کا استعمال کیا گیا۔ شاہی مسجد کا دومنزلہ شاندار دروازہ بنایا گیا۔ اس میں مسجد کے متعلقہ افراد کی رہائش تھی۔ امام مسجد' خطیب کی رہائش ان دروازوں کے مکانات میں تھی۔ (ان دونوں دروازے کی ان ڈیوڑھیوں پر تبرکات برائے نمائش رکھے ہوئے ہیں)۔ دروازے کی پیشانی پر سنگ مرمر کے تختے پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ نیچے ''مسجد ابوالظفر محی الدین محمد عالمگیر بادشاہ غازی سن ہزار وہشتاد وچہار ہجری تمام یافت'' درج ہے۔

اس عبارت کے نیچے مسجد تعمیر کرانے والے کا نام ہے۔

''باہتمام کمترین خانہ زاداں ''فدائی خاں کوکہ''

یہ مسجد ۱۰۸۴ھ ۱۶۷۳ء کو تیار ہوئی تھی۔ مسجد کا صحن ایک مربع زمین پر پھیلا ہوا ہے' جس پر سنگ مرمر اور سنگ رخام کا فرش بچھایا گیا تھا اور نمازیوں کی سہولت کے لئے پتھر کے مصلے بچھائے ہوئے تھے' جو انقلابات زمانہ کی نذر ہوگئے۔ ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء میں علامہ اقبال کی نماز جنازہ اسی فرش پر پڑھائی گئی تھی اور پاکستان بننے کے بعد عالمگیری مسجد دنیائے اسلام کی ایک بے مثال مسجد تھی۔ مسجد کے درمیان ایک بڑا سا حوض بنایا گیا تھا' جس میں بیک وقت پانچ سو نمازی وضو کرسکتے تھے حوض سے گزر کر دو زینے بنائے گئے جو مسجد کی عمارت تک چلے جاتے ہیں۔ مسجد کی اونچی اور شاندار عمارت فن تعمیر کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔ جس پر مختلف اقسام کے قیمتی پتھر لگائے گئے تھے۔

شاہی مسجد کی تعمیر میں جس انداز سے خوبصورتی پیدا کی گئی تھی۔ اس کی تفصیلات

بیان کی جائیں تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ مسجد کے تین مرمرین سفید گنبد اور چار سرخ بلند مینار دنیا بھر کی مساجد کے لئے بھی قابل رشک ہیں۔

شاہی مسجد لاہور نے جہاں اپنی شان کو دنیا کے سامنے رکھا وہاں اسے زمانے کے انقلابات نے بڑے صدمے پہنچائے' سکھوں کے دور میں اس مسجد کے صحن کو گھوڑوں کا اصطبل بنا دیا گیا۔ مسلمانوں پر اس کے دروازے بند کردیئے گئے۔

ہم نے شاہی مسجد کی تعمیر وآرائش پر مختصر سی گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ اس عظیم الشان مسجد کے محراب ومنبر اپنی شان سے اہل ایمان کے دل خوش کردیتے تھے مگر اب ہم قارئین کو عالمگیری مسجد کی زبوں حالی کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ مغل دور کے زوال کے بعد سارے لاہور پر سکھا شاہی کا قبضہ ہوا۔ سکھوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے ان کے آثار خصوصاً مساجد کو نشانہ بربریت بنایا۔ لاہور کی سینکڑوں مساجد کو تباہ وبرباد کردیا گیا۔ شاہی مسجد کو اصطبل بنا دیا گیا۔ جہاں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی تھیں وہاں گھوڑوں کی ہنہناہٹ سنائی دیتی تھی۔ جہاں اہل ایمان سجدہ ریز ہوتے تھے وہاں سکھوں کے جتھے ''ست سری اکال'' کی پکاریں بلند کرتے تھے۔ مسجد کے بلند میناروں پر دمدمے نصب کرکے گولہ باری کرتے تھے۔ مسلمان بے بسی کے عالم میں بادشاہی مسجد کو باحسرت ویاس دیکھا کرتے تھے مگر اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔

سکھوں کے زوال کے بعد انگریزی اقتدار آیا تو کچھ عرصہ بعد لاہور کی مساجد واگذار ہونے لگیں۔ ۱۸۵۶ء کو شاہی مسجد بھی واگذار ہوئی تو مسلمان اذانیں دینے لگے اور نمازیں پڑھنے لگے۔

سکھوں کے دور کے بعد انگریزی حکومت آئی' تو شاہی مسجد کو مسلمانوں کے حوالے کردیا گیا۔ اس وقت مسجد کی حالت بہت خراب تھی۔ ''تن ہمہ داغ داغ شد'' والا معاملہ تھا۔ ۱۸۵۶ء میں سرجان لارنس چیف کمشنر پنجاب نے اسے مسلمانوں کے حوالے کیا تو اس میں مدت کے بعد اذاں کی آواز سنائی دی۔ اس وقت مسجد کی تولیت سید بزرگ شاہ بن قاضی غلام شاہ کے سپرد کی گئی۔

اورنگ زیب شہنشاہ ایک دین پسند بادشاہ تھا۔ نماز و روزہ کا پابند اور شریعت نافذ کرنے کے لئے دن رات کوشاں رہتا تھا۔ اس کے زمانہ میں شاہی مسجد علم وادب کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ عبادت و ریاضت کی پرسکوں جگہ تھی اور دنیا بھر سے اہل علم بارشاہی مسجد لاہور میں آتے اور علمی و دینی علوم کو پھیلاتے تھے۔ اورنگ زیب نے ایک سو ساٹھ علمائے کرام کو جمع کیا اور انہیں ''فتاویٰ عالمگیری'' مرتب کرنے پر لگایا۔ یہ فتاویٰ فقہ حنفی کی ایک لاجواب کتاب ہے' جس سے مسلمان دینی مسائل سے آگاہی پاتے ۱۶۶۳ء میں عالمگیر لاہور میں تھا۔ اسے سرہند کے نقشبندی علماء و اولیاء دین کے نفاذ کے لئے آمادہ رکھتے اور دینی راہنمائی کرتے حضرت مجدد الف ثانی کے بیٹے قیوم دوم حضرت خواجہ معصوم' قیوم سوم حضرت خواجہ نقشبند اور قیوم چہارم حضرت خواجہ زبیر تو خصوصی طور پر عالمگیر کو دینی اور روحانی راہ پر قائم رہنے میں مدد دیتے تھے۔ ملاجیون نے علمائے کرام کی ایک ٹیم کے ساتھ فقہ حنفی کے انداز میں اسلامی قانون کے نفاذ کی کوشش کی۔ ملاجیون کی قیادت میں فتاویٰ عالمگیری تیار ہوا تو یہ ملک کے عوام کے لئے اہم دینی دستاویز تھی۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کی اولاد اقتدار کی جنگ لڑنے لگی' ملک کے کئی ٹکڑے ہوگئے' شہزادوں نے عیاشی اور آرام پسندی کو اپنا شعار بنالیا ان کے عقائد میں خلل آگیا۔ ایک شہزادہ بہادر شاہ رنگیلا تخت نشین ہوا۔ جب وہ لاہور آیا تو اس نے اعلان کیا' آج کے بعد جامع مساجد میں خطبہ جمعہ میں ''علی ولی اللہ خلیفہ الرسول بلافصل'' پڑھا جائے۔ مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا جن علماء کرام نے مخالفت کی انہیں گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا گیا۔ مغل شہزادے نے لاہور کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کو حکم دیا کہ شیعہ عالم دین کو شاہی مسجد کے منبر پر کھڑا کیا جائے اور خطبہ میں ''علی ولی اللہ وصی الرسول اللہ'' کے الفاظ پڑھے جائیں' شہزادہ عظیم الشان کے حکم کے ابھی یہ خطیب فوج کے دستہ کی حفاظت میں شاہی مسجد میں داخل ہوا ہی تھا کہ کسی نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اس پر بادشاہ نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

یہ مسجد خالص حنفی المذہب بادشاہ نے تعمیر کی تھی اور حنفی المذہب امام اور خطیب

مقرر ہوتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد بھی حنفی علماء خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مگر جب یہ مسجد محکمہ اوقاف کے زیر انتظام آئی تو مختلف مسالک کے علماء امامت و خطابت کی بجائے نوکری کرنے لگے۔ اور محراب و منبر پر قابض ہوتے گئے۔ اس مسجد میں مولانا غلام محمد بگوی۔ مولانا ریحان حسین رامپوری' حافظ ولی اللہ' مولانا معواں حسین رامپوری۔ مولانا نور احمد بگوی۔ مولانا شفیق احمد بگوی۔ مولانا ذاکر حسین بگوی جیسے خطیب رہے۔ پاکستان بننے کے بعد مولانا غلام مرشد آئے۔ پھر محکمہ اوقاف پنجاب کے زیر انتظام سرکاری علماء خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

مسجد داخل ہوتے وقت علامہ اقبال کا مقبرہ نظر آئے گا۔ سرسکندر حیات وزیر اعلیٰ پنجاب (جس نے مسجد کی مرمت میں بڑا موثر کام کیا تھا) کا مزار ہے۔

شاہی مسجد لاہور عالمگیر بادشاہ کی بنائی ہوئی ہے اس میں تین لاکھ سے زیادہ نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ شاہی مسجد میں دنیا بھر سے جلیل القدر علمائے کرام آئے۔ دنیا بھر سے حکمران آئے اور شاہی مسجد کو دیکھ کر بے اختیار شان خداوندی کا اعتراف کیا' پاکستان کے محکمہ اوقاف نے اسے سرکاری مسجد قرار دے دیا اور اب علمائے کرام ''نوکری'' کرنے لگے۔ اللہ کی شان چند سال قبل ہمارے ایک دوست عالم دین مولانا قیوم الٰہی عرفانی شاہی مسجد کے خطیب مقرر ہوگئے۔ ہم آئے دن ان سے ملنے جاتے تو شاہی مسجد کے بلند و بالا میناروں پر کھڑے ہوکر سارے لاہور شہر کو اپنے قدموں تلے دیکھتے۔ ایک دن مولانا محمد قیوم الٰہی عرفانی نے ہمیں شاہی مسجد کے محراب میں بٹھا کر چائے کی دعوت دی۔ ہم دونوں چائے پی رہے تھے کہ میں شاہی مسجد کے محراب میں پیالی ایک طرف رکھ کر سجدہ ریز ہوگیا۔ پوچھنے لگے یہ سجدہ کیسا ہے؟ ہم نے عرض کیا۔ اللہ۔ اللہ۔ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کی شاہی مسجد کے محراب میں ہم جیسے درویش چائے پی رہے ہیں۔ یہ انقلابات ہیں زمانے کے!

سنہری مسجد:

یہ مسجد لاہور کے درمیان کشمیری بازار اور ڈبی بازار کے درمیان نہایت مقطع اور

خوبصورت بنی ہوئی ہے۔ تینوں بڑے گنبد اور چھوٹی برجیاں تانبے کے تختوں پر سونے کی
پالش سے ایسی خوبصورت ہیں کہ صدیوں گزرنے کے باوجود ان کا سنہری رنگ اسی چمک
دمک سے موجود ہے۔ مسجد کے تین اطراف دکانیں ہیں جن کی آمدن سے مسجد کے
اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ اب یہ مسجد محکمہ اوقاف کے زیر اہتمام ہے۔

اس مسجد کا بانی نواب سید بھکاری خاں تھا۔ یہ سلسلہ چشتیہ میں حضرت سید میراں
سید بھیک چشتی سے ارادت رکھتا تھا۔ مسجد کے دروازے پہ یہ کتبہ ابھی تک موجود ہے۔

"یابھیکہ مسجد قلبی وانت فیہ مقیم"

۱۷۴۹ء ۱۱۶۳ھ

مسجد کے اندر تین محراب، تین گنبد مقطع اور بلند ہیں۔ گوشوں میں چھوٹے چھوٹے
مینار اور باہر منقش استرکاری، صحن کے اندر حوض، چاہ آبدار بنا ہوا ہے۔

سکھوں کے عہد حکومت میں مسجد کی دیواروں کے ساتھ سکھوں کی باولی اور
گوردوارا بنا دیا گیا اور اکالی سکھوں نے مسجد پر قبضہ کرلیا اور مسجد میں گرنتھ رکھ دیا مگر چند ماہ
بعد سکھوں کو قبضہ چھوڑنا پڑا۔ اور مسلمان اذان کہنے لگے اور نمازیں پڑھنے لگے۔ گھر،
حجرے اور دکانیں انگریزوں کے آنے تک سکھوں کے قبضے میں رہیں۔

سنہری مسجد لاہور کے عین درمیان ہے۔ خوبصورت ہے اور اپنی دکانوں کی وجہ سے
خود کفیل ہے۔ پہلے اس کا انتظام انجمن اسلامیہ کے ہاتھ میں تھا۔ مگر محکمہ اوقاف بننے کے بعد
اسے محکمہ اوقاف نے اپنے انتظام میں لے لیا ہے۔ وہی امام خطیب اور مؤذن رکھتا ہے۔

مسجد موران:

شاہ عالمی دروازے کے اندر پاپڑ منڈی میں مسجد موراں واقع ہے۔ اسے مہاراجہ
رنجیت سنگھ کی ایک طوائف موراں نے ۱۲۲۴ھ میں بنایا تھا۔ یہ رباعی مسجد کی پیشانی میں
لکھی ہوئی ہے۔

بہ فضل ایزد دارائے افلاک — چو موراں مسجدے آراستہ برخاک
بتاریخش بنا گیش گفت ہاتف — شدہ تعمیر ملنتہ مسجدے پاک

موراں مسجد کی کرسی بڑی اُونچی ہے، نیچے دکانیں۔ رہائشی مکان اور نشست گاہیں
ہیں۔ بڑی مضبوط چونا گچ سے بنی ہوئی ہے۔

جب یہ مسجد بنی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی محبوبہ کی خواہش پر اس کی تعمیر وترقی
کے لئے بڑی دلچسپی لی۔ اس وقت کے ایک جید عالم دین مولانا غلام اللہ اور غلام رسول کو
امامت اور خطابت پر مامور کیا گیا۔ ان دونوں نے اس مسجد کو صرف عبادت تک محدود نہ
رکھا بلکہ اسے ایک درسگاہ بنا دیا جہاں دور دراز سے طلبا آتے اور علم حاصل کرتے سکھوں
کے زوال تک یہ درس جاری رہا۔ مولانا غلام رسول اور غلام اللہ فوت ہوگئے۔ تو لوگوں نے
اسے ایک طوائف کی مسجد ہونے کی وجہ سے نظرانداز کردیا۔ مدرسہ بند ہوگیا، نمازی جاتے
ہوئے ہچکچاتے اور مسجد کے در و دیوار مرثیہ خوانی کرتے۔

اس مسجد کے خطیب اور امام بڑے قابل تھے۔ ان کی اولاد میں سے خلیفہ احمد دین
اور خلیفہ حمید الدین نے انجمن حمایت اسلام کی بنیاد رکھی وہ خود سرکاری عہدوں پر فائز
رہے۔ خان بہادر خلیفہ عماد الدین اور خلیفہ شجاع الدین بھی انہیں کے بیٹے تھے۔

مسجد کے ساتھ ہی سکھوں، اکالیوں کا ایک جتھہ رہتا تھا۔ مسجد میں پانچوں وقت
اذان ہوتی تو اکالیوں کو سخت ناگوار گزرتی۔ ان سکھوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس جا
کر شکایت کی کہ مسلمانوں نے ہمارا جینا حرام کردیا ہے۔ اذانیں دیتے ہیں۔ تو ہمیں بے
آرام کردیتے ہیں۔ مہاراجہ نے مسجد کے امام اور دوسرے معزز مسلمانوں کو طلب کیا کہ
آپ لوگ اذان کیوں دیتے ہو۔ انہوں نے بتایا۔ ہم مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ وہ
اُٹھیں اور مسجد میں آکر نمازیں پڑھیں۔ ہم صرف اللہ اکبر۔ اللہ اکبر کہتے ہیں۔ کسی کی
دل آزاری نہیں کرتے، مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سکھوں کو کہا کہ آئندہ کے لئے مسلمان
اذانیں نہیں دیا کریں گے اب تم لوگ ان کو نماز کے لئے اُٹھایا کرو۔ سکھ مسلمانوں کے
دروازے کھٹکھٹاتے اور لوگوں کو نماز کے لئے بلاتے۔ چند دنوں بعد سکھوں نے دیکھا یہ
کام بہت مشکل ہے، ہم کس کس گھر کا دروازہ کھٹکایا کریں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس جا
کر کہا کہ یہ کام بہت مشکل ہے، آپ مسلمانوں کو اذانوں کی اجازت دے دیں"۔

کتابوں پر تبصرہ

کشورِ نعت : ترتیب وتدوین: چوہدری محمد یوسف ورک قادری۔ ناشر: نعت پبلی کیشنز۔5راجا کالونی۔عقب تھانہ شاہدرہ،لاہور۔ قیمت: -/250روپے

کشورِ نعت ان خطوط اور تبصروں پر مشتمل ہے جو اس کتاب کے مؤلف چوہدری محمد یوسف ورک قادری کے نام ان کی مرتبہ ''فہرست کتب نعت لائبریری شاہدرہ'' کی اشاعت کے بعد قارئین نے لکھے تھے۔ کتب کی فہرست مجمل ہو یا مفصل ہمیشہ اہل تحقیق کی رفیق راہ ہوتی ہے بلکہ یہ ایسے جوابات حقیقت کو اپنی منزل تک پہنچانے میں آسانیاں پیدا کرتی ہے۔ اسلامی دنیا میں کتب کی فہرست سازی کی روایت نہایت قدیم ہے۔ اس سلسلے میں شہرہ آفاق مؤلف ابن ندیم کی ''الفہرست'' ایک کلاسیکل ادب کا درجہ رکھتی ہے۔ یوسف ورک نے نعت کی فہرست مرتب کر کے اسلامی معاشرہ کی ایسی روایت کو آگے بڑھایا ہے ان کی یہ کوشش لائق تحسین ہے۔ مولف کی اس کوشش کو ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہیں۔(ڈاکٹر انجم رحمانی)

''کشورِ نعت'' کے مؤلف محمد یوسف ورک عاشق رسولؐ ہیں۔ انہوں نے اپنی لائبریری کو نعت رسولؐ پر لکھی گئی ہزاروں کتابوں سے سنوارا ہے اور جہاں بھی انہیں نعت پر لکھی ہوئی کتاب مل جائے اسے اپنی لائبریری کی زینت بنا لیتے ہیں۔ پاکستان میں ''نعت لائبریری شاہدرہ'' ایک واحد لائبریری ہے جس میں نعت رسولؐ کے پھول مہکتے نظر آتے ہیں۔

ارمغانِ طریقت : تصنیف: مفتی محمد علیم الدین مجددی۔ ناشر: خانقاہ سلطانیہ۔گلشن عظیم،جہلم۔ قیمت: ندارد۔

یہ کتاب خواجہ عالم قاضی محمد صادق مجددی رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ فتحیہ گلہار۔کوٹلی،

آزاد کشمیر کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ فاضل مصنف نے حضرت خواجہ محمد صادق کے ملفوظات کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں مرتب کیا ہے اور تصوف کے بڑے بڑے رموز کو سامنے لا رکھا ہے۔ کتاب نفیس طباعت، عمدہ کاغذ اور خوبصورت جلد سے مزین ہے۔

علم غیب رسول : تصنیف: حضرت مولانا محمد صالح نقشبندی مجددی۔ ناشر: مظہر علم۔شاہدرہ،لاہور۔ قیمت: ندارد۔

یہ کتاب علم غیب رسول پر ایک خوبصورت کتاب ہے۔ جسے بڑے مدلل انداز میں ترتیب دیا گیا ہے، فاضل مؤلف ایک معروف مفتی عالم دین ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب پر قرآن واحادیث سے دلائل دیئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علوم غیبیہ کو ثابت کیا گیا ہے۔ منکرانِ علوم غیبیہ کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم غیبیہ پر بڑی معلومات ملتی ہیں۔ کتاب کے پڑھنے سے دل سے ناواقفیت کے غبار چھٹ جاتے ہیں اور ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

کتاب کے آغاز میں حضرت علامہ مفتی علیم الدین نقشبندی مجددی۔ خانقاہ فتحیہ گلہار۔کوٹلی۔ آزاد کشمیر، نے ایک زبردست دیباچہ لکھا ہے جس میں مصنف نے کتاب کا تعارف کرایا ہے اور کتاب کے چیدہ چیدہ موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب نہایت عمدہ سفید کاغذ، نفیس طباعت خوبصورت جلد قارئین کو مطالعہ دیتی ہے۔

تذکرۂ سلطانیہ : تالیف: ڈاکٹر معین نظامی۔رئیس شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور۔ ناشر: خانقاہ فتحیہ گلہار۔کوٹلی۔آزاد کشمیر

ڈاکٹر معین نظامی ایک معروف دانش ور اور صوفیاء کی مجالس کی رونق ہیں۔ ان کی تحریریں اہل علم وفضل، خصوصاً صوفیائے کرام کے ہاں بڑی پسندیدہ ہوتی ہیں۔ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی میں شعبۂ فارسی کے صدر ہیں۔ ان کے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ ہے جو فارسی شناسی کے علاوہ تعلیماتِ صوفیاء سے دلچسپی رکھتے ہیں، آپ نے

''تذکرۂ سلطانیہ'' میں قبلہ عالم قاضی محمد سلطان عالم میرپور چچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے اسلاف' اخلاف اور خلفا کے احوال قلمبند کئے ہیں۔ خواجہ محمد سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ میرپور چیچاں' آزاد کشمیر میں فیضانِ مجددیہ کو پھیلاتے رہے ہیں اور لوگوں کو راہِ ہدایت پر چلاتے رہے۔ ڈاکٹر نظامی صاحب نے نہ صرف حضرت خواجہ سلطان عالم کے احوال و آثار پر روشنی ڈالی ہے بلکہ ان کے فیض یافتگاں کے ضمنی احوال بھی لکھ دیئے ہیں۔ آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ قاضی محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی آپ کے ملفوظات کو پیش کر دیا ہے ان ملفوظات میں بڑے سادہ انداز میں سلسلہ مجددیہ کے معارف اور اسرار کو بھی سامنے لایا گیا ہے۔ شمالی پاکستان خصوصاً آزاد کشمیر کے سنگیوں کے احوال اور ان کی باتیں بڑی خوبصورتی سے سامنے آئی ہیں' جو پہلے کسی تذکرہ میں نہیں ملتیں۔ کتاب بڑے نفیس انداز میں چھپی ہے۔ عمدہ کاغذ اور خوبصورت جلد صاحب علم کو دعوت مطالعہ دیتی ہے۔

توفیق ثناء : مصنفہ: پروفیسر محمد اکرم رضا۔ ناشر: فروغ ادب اکادمی۔ سیٹلائیٹ ٹاؤن' گوجرانوالہ۔ یہ کتاب نعتیہ مجموعہ ہے' جسے پروفیسر محمد اکرم رضا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں نذرانہ بنا کر پیش کیا ہے۔ پروفیسر رضا ایک معروف نعت نگار ہیں۔ ان کے کئی نعتیہ مجموعے چھپ کر اہل محبت کو دعوت مطالعہ دے چکے ہیں' ان کی ہر کتاب ''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است'' بن کر آتی ہے۔ آپ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ کلام پر تنقیدی۔ تعریفی اور تحسینی مقالات لکھتے ہیں۔

پروفیسر محمد اکرم رضا کے کلام میں صدرنگی ہے۔ آپ کے بقول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق بے کراں آپ کی رحمت جاوداں ہے۔ آپ کی اس کتاب ''توفیق ثنا'' کو اپنی فکرفنی خوبیوں۔ دلی کیفیات ومحسوسات اور شائستگی کے اظہار کے قرینوں کے سبب بڑے شوق وذوق سے پڑھا جائے گا۔

اس کتاب پر ڈاکٹر ریاض مجید' شبیر احمد کمال عباسی۔ شیر عابد' سید صبیح الدین صبیح رحمانی جیسے نعت شناس حضرات نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

شرح دیوان خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ:

ترجمہ وشارح: محمد علی چراغ۔ ناشر: نذیر سنز پبلی کیشنز۔ 40-A اردو بازار۔ لاہور۔ صفحات: 744 کلاں سائز۔ قیمت -/675 روپے

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کو پھیلانے صوفیاء اسلام کی تربیت کرنے اور تصوف میں ایک بلند مقام پر فائز ہونے کے سلسلہ میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اسلام کا بچہ بچہ ان کی روحانی خدمات کا معترف ہے۔ اہل علم ارباب روحانیت نے ان سے فیض پایا اور ان کے فیضان کو ملک کے گوشے گوشے تک پہنچایا ہے۔ یہ ہماری اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ آپ نے جن نامور صوفیہ کو تربیت دی وہ صدیوں تک امت کی راہنمائی کرتے رہے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے جہاں تصوف کے اسرار ورموز کو پھیلایا ہے وہاں اپنے شعری کلام سے ارباب ذوق کو عرفان کا خزانہ عطا کیا ہے۔ آپ کا شعری دیوان دنیائے تصوف کا ایک بے بہا خزانہ ہے۔

وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں!

محمد علی چراغ ایک مؤرخ اور تذکرہ نگار کی حیثیت سے مانے ہوئے سکالر ہیں۔ ان کی تصانیف اہل علم کے مطالعہ میں آتی رہی ہیں۔ مگر دیوان خواجہ کی شرح انہوں نے بڑی عمدہ اور بسیط پیرائے میں کی ہے۔ مشکل الفاظ کی فرہنگ علیحدہ دی ہے' پھر اس کی طباعت اشاعت میں نذیر سنز پبلی کیشنز' لاہور نے بڑی نفاست کا ثبوت دیا ہے۔

خیر البشر : نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اطہر۔ مؤلفہ ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری۔ ملنے کا پتہ: حق پبلی کیشنز۔ سید پلازہ' چیٹرجی روڈ۔ اردو بازار' لاہور۔ قیمت: -/250 روپے

ڈاکٹر عبدالشکور انصاری ایک ڈاکٹر ہیں جو بیماروں کے علاج اور تیمارداری میں صبح وشام مصروف رہتے ہیں۔ سیرت رسول پر انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں' جو ہدیۂ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ خیر البشر صدارتی ایوارڈ یافتہ ہے اور سیرت پاک کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ایک خوبصورت کتاب ہے۔ اہل محبت نے اس کتاب کا مطالعہ کیا

اور مصنف کو ہدیۂ تحسین پیش کیا ہے۔

نذر صابری : تصنیف: صاحبزادہ ابوالحسن واحد رضوی- ناشر: ملک امیر خاں پبلی کیشنز۔اٹک- قیمت :-/550روپے- ملنے کا پتہ: ریاض العلم بک سینٹر۔اٹک

یہ کتاب صاحبزادہ ابوالحسن واحد رضوی نے اپنے استاد گرامی علامہ غلام محمد نذر صابری کے احوال و مقامات پر مرتب کی ہے۔علامہ نذر صابری موجودہ دور میں ایک گوشہ نشین ادیب۔ شاعر۔ محقق نقاد اور مورخ ہیں۔ وہ سابقہ پچاس سال سے ایک استاد کی حیثیت سے علمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور ان کے سینکڑوں شاگرد علمی منازل طے کر کے زندگی کے منازل طے کر رہے ہیں۔

فاضل مؤلف علامہ واحد رضوی نے اپنے استاد نذر صابری کی خوبصورت تحریروں کے اقتباسات میں ان کی علمی ادبی اور شعری عظمت پر روشنی ڈالی ہے پھر ان کے روحانی مقامات سے بھی آگاہ کیا ہے۔ان کے شعری اور نثری شاہپاروں کو سامنے لا کر ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہوئے دعوتِ مطالعہ دی ہے اور ایک گوشہ نشین شاعر اور ادیب کو دنیائے علم کی روشنیوں میں درخشاں کر دیا ہے۔اور اہل علم کو دعوت مطالعہ دی ہے۔ کتاب نفیس کتابت' اعلیٰ طباعت اور خوبصورت جلد بندی سے مزین ہے۔

سید العالمین : مؤلفہ ڈاکٹر ساجد انصاری- ناشر: حق پبلی کیشنز- سید پلازہ چیٹر جی روڈ' اردو بازار' لاہور- قیمت : -/240روپے

ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری ایک نامور سکالر ہیں' انہوں نے کئی کتابیں لکھیں' انہیں خوبصورت انداز میں چھپوایا۔ان کی قلم کی رفتار ہمیشہ کوچہ محبوب خدا میں ہی رہتی ہے اور حضورؐ کی سیرت پر گلہائے رنگا رنگ بکھیرتی رہتی ہے۔ انہوں نے اس سے پہلے ماہ عرب' لبیک یا رسول اللہ۔ فیضان حرا۔ صبح فروزاں۔ تحفیظ ناموس مصطفیٰ۔ قندیل حرا۔ صبح سعادت۔ پیکر جمال جیسی کتابیں لکھی ہیں اور شائع کی ہیں۔بعض کتابوں پر انہیں قومی سیرت ایوارڈ بھی ملا ہے۔زیر تبصرہ کتاب سید العالمین بھی ایک خوبصورت کتاب ہے جسے اہل محبت نے بڑی محبت سے پڑھا ہے۔

☆☆☆

نسیم بطحا
الدولة المكية بالمادة الغيبية
شواهد النبوة
خزینۃ الاصفیا
رجال الغیب
خیابانِ رضا
مکتبہ نبویہ
گنج بخش روڈ لاہور
0300-4235658